دینی، اخلاقی اور معاشرتی اقدار کا علمبردار

Baitussalam.org | Baitussalam_org | Baitussalam_org | +9221-111-298-111

ماہنامہ فہمِ دین

• جلد/8 • شمارہ/12 • اگست/2017

پاکستان کا مطلب کیا

لا الٰہ الا اللہ

BAITUSSALAM

pg02

Brighto

زیرسرپرستی

مولانا عبد الستار حفظہ اللہ

فہم وفکر

پاکستان کا مطلب کیا۔۔۔لا الہ الا اللہ	مدیر کے قلم سے	04

اصلاحی سلسلہ

فہم قرآن	شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم	05
فہم حدیث	مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ	06
آئینہ زندگی	حضرت مولانا عبد الستار حفظہ اللہ	08

مضامین

وقت کی اہم ترین ضرورت۔۔۔استحکام پاکستان	مولانا سید ابو الحسن علی ندوی	10
معرب کدام	حذیفہ رفیق	12
آزادی کا سفر	محمد کاشف تبسم	14
بنیاد	ڈاکٹر ذیشان الحسن عثمانی	16
فقیری میں نام پیدا کر	ڈاکٹر نوید جمیل ملک	18
مسائل پوچھیں اور سیکھیں	مفتی محمد توحید	20
باورچی خانہ اور ہماری صحت	حکیم شمیم احمد	23

خواتین اسلام

ہم بھی منہ میں زبان رکھتے ہیں	شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم	26
شام کے آنسو	بنت محمود رحیم	28
وہی تو ہے	نفیسہ سعید	30
اسلام کی باہمت خواتین	اہلیہ فیصل	31
باپ کا بیٹی کے نام خط	محمد دانش	32

باغیچہ اطفال

ننھے ادیب		34
بچوں کے فن پارے		35
انعامات ہی انعامات		36
فرح کی فاختہ	ڈاکٹر الماس روحی	38
آزادی	محمد زبیر فرید	40

بزم ادب

ہم نے تیرے دین کی خاطر پاکستان بنایا ہے	جوہر عباد	42
نافذ کرنے کو اسلام ہم نے بنایا پاکستان	محمد اُسامہ سَرسَری	43
گلدستہ	ادارہ	44

اخبار السلام

خبرنامہ	ادارہ	46

دینی، اخلاقی اور معاشرتی اقدار کا علمبردار

ماہنامہ فہم دین کراچی

اگست 2017ء

مدیر	محمد خرم شہزاد
ناظم	خالد عبد الرشید
کمپوزنگ	مظفر بھٹو
نظر ثانی	طارق محمود
تزئین و آرائش	نوید فرید

آراء و تجاویز کے لیے

0304-0125750 | 0333-4573885

ڈاک سے متعلق امور کے لیے

0323-3229313 | 021-35393912

اشتہارات کے لیے

0314-2981344

marketing@fahmedeen.org

خط و کتابت اور بذریعہ منی آرڈر رسالہ کے اجراء کے لیے

C-26 گراؤنڈ فلور، سن سیٹ کمرشل اسٹریٹ نمبر 2، خیابان جامی، بالمقابل بیت السلام مسجد، ڈیفنس فیز 4 کراچی

زر تعاون

فی شمارہ:	40 روپے
اندرون کراچی سالانہ (بذریعہ کوریئر):	520 روپے
بیرون کراچی سالانہ (بذریعہ رجسٹری):	520 روپے
بیرون ملک بدل اشتراک	35 ڈالر

ناشر	مطبع	مقام اشاعت
فیصل زبیر	واسا پرنٹر	دفتر فہم دین

پاکستان کا مطلب کیا لا الٰہ الا اللہ

مدیر کے قلم سے

کیا ہم اس پرندے کی خوشی کا اندازہ لگا سکتے ہیں جو ایک لمبے عرصے سے پنجرے میں زندگی گزار رہا ہو اور پھر کسی دِن غلطی سے مالک پنجرے کا دروزاہ بند کرنا بھول گیا تو وہ پُھر سے اڑ کر ایک سر سبز درخت پر جا بیٹھا' حالاں کہ پنجرے میں تو اسے وقت پر دانہ دُنکا بھی مل رہا تھا اور یہاں تو یہ بھی نہیں پتا کہ کب ملے گا اور کہاں سے ملے گا؟ لیکن پھر بھی وہ پرندہ بھی اور ہم سب بھی اس "فرار" کو ہی اس کے حق میں "حیات" سمجھتے ہیں۔ اچھا ایک اور پرندہ ہے' وہ قید و بند کی صعوبتوں سے آزاد ہے' مالک نے اسے پنجرے میں بند کیا ہی نہیں' مالک کی خواہش ہی نہیں ہے کہ وہ اسے قید کر کے رکھے' پنجرے میں اسے دیکھ کر مالک کا دِل دُکھتا ہے' اس لیے مالک نے اس کے لیے گھر کے صحن اور لاؤنج میں گھومنے کے لیے جگہ مختص کر رکھی ہے' مگر اس کے ساتھ ساتھ اس کے پر کاٹ دیے ہیں' تا کہ وہ اُڑ کر کہیں اور نہ چلا جائے' اس پرندے کے بارے میں ذرا بتایئے گا کہ ہمارے سماج کی کیا رائے ہو گی؟ کیا ہم اس کی آزادی پر خوش ہوں گے' جو مالک نے اسے دے رکھی ہے یا ہم اس کی بے بسی پر نوحہ کناں ہوں گے کہ اب وہ اڑنے کی تمنا ہی نہیں کر سکے گا اور اس کی حالت اس کنویں کے مینڈک کی سی ہو گئی ہے' جس کے لیے ساری دُنیا صرف وہی کنواں ہوتی ہے۔

کیا ہم اس بات کو سوچ سکتے ہیں کہ ہم اپنے ہر دِل عزیز وطن پاکستان میں کیسی آزادی چاہتے ہیں؟ پر بچا کر' کشکول توڑ کر' اللہ کے بعد اپنے قوتِ بازو پر بھروسا کرنے والی یا پر کٹوا کر' کشکول ہاتھ میں تھام کر' غیروں کا دست نگر بننے والی؟؟؟ کیا ہم اس بات کو سمجھ سکتے ہیں جسے میں پورے وثوق سے کہنا چاہ رہا ہوں' وہ یہ کہ اگر پروں کو بچانا ہے اور پوری دُنیا میں پاکستان کے تشخص کو اُجاگر کرنا ہے تو پھر پاکستان میں اسلامی تعلیمات پر ہی عمل کرنا ہو گا۔ یہ صرف مولویوں کا چلایا ہوا نعرہ نہیں ہے' بل کہ سچی بات یہ ہے کہ اسلام اسلام کرنے میں مولویوں کا ذاتی کوئی نفع نہیں ہے' خدا کی قسم! ایک دھیلے کا بھی نہیں' بل کہ صرف اور صرف پاکستان کا ہی نفع ہے' اس لیے کہ اسلام خود غرضی کا نہیں' ایثار اور قربانی کا درس دیتا ہے' وہ عہدوں کے لیے لڑنے لڑانے اور مرنے مرانے کی بات کرنا تو در کنار' وہ تو عہدہ مانگنے والے کو' بل کہ دِل میں اس کی طمع رکھنے والوں کو بھی نا اہل قرار دیتا ہے' چناں چہ علمائے کرام نے قیامِ پاکستان کے وقت بھی عام مسلمانوں کے ساتھ مل کر قربانیوں کی داستان رقم کی تھی اور اب پاکستان کی ستر سالہ تاریخ میں بھی وہ "پاکستان بچاؤ اور پاکستان مضبوط بناؤ" کے منصوبے پر ہی کار فرما ہیں۔

اس کے مقابلے میں سیکولرازم یہ پروں کو کٹوانا ہے' اس میں کوئی چیز اپنی نہیں' اس نظر سے دیکھا جائے تو پھر ہم صرف آئی ایم ایف کی ہی کاسہ لیسی نہیں کرتے' بل کہ پھر تو ہماری سوچ بھی مانگے تانگے کی ہے' روشن خیالی کے نام پر ثقافت بھی غیروں ہی کی ہے' اس سیکولرازم کے دھوکے کو واضح کرتے ہوئے اقبال یوں گویا ہوتے ہیں:

کر بلبل و طاؤس کی تقلید سے توبہ
بلبل فقط آواز ہے' طاؤس فقط رنگ

قارئین گرامی! سیکولرازم میں نہ نظریات ہمارے اپنے' نہ ثقافت اور نہ رسم و رواج۔ یہ تو مغرب کا دوسرا ایڈیشن ہے۔ اگر یہی کرنا تھا تو پھر "بٹ کے رہے گا ہندوستان' بن کے رہے گا پاکستان" کی آخر ضرورت کیا تھی؟ اگر ولایتی انگریز ہی بننا تھا تو پھر دیسی ہندو ہی بن جاتے؟ اسلام تو ہمارا اپنا ہے' دنیا ہمیں پاکستان کے لیبل سے بعد میں جانتی ہے اور مسلمان ہونے کا لیبل ہم پر پہلے لگاتی ہے۔ وہ دوڑ جس میں ہم مغرب کے شانہ بشانہ دوڑنے کی اب کوشش کر رہے ہیں' ہمارا برادر ملک ترکی اس کے لیے اپنا سب کچھ پہلے ہی تیاگ چکا ہے۔ اگر ہم ترکی کے اس کڑوے تجربے سے فائدہ نہیں اٹھائیں گے تو پھر ہمیں یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ جو بات اقبال نے سو سال پہلے ہندوستان کو کہی تھی' وہ آج ہمارے لیے لمحہ فکریہ بن چکی ہے

نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستاں والو
تمہاری داستاں تک بھی نہ ہو گی داستانوں میں

ہمارے برادر ملک ترکی کو تو اقبال کی یہ بات اب جا کر سمجھ میں آ چکی ہے کہ ہم چاہے اُن کے کتنے ہی تلوے چاٹ لیں' چڑیاں پہن کر جانوروں سے بھی بدتر زندگی گزارنے لگ جائیں اور انسانوں کے بجائے زندگی کے ہر میدان میں کتوں کو چومنے چاٹنے لگ جائیں' مغرب نے ہمیں یورپی یونین میں نہ اب تک شامل کیا ہے اور نہ آئندہ شامل کرنا ہے اور ہماری بقا کا اگر کوئی ساماں ہے تو وہ صرف اسلام میں ہی ہے اسی سے قرآن مجید کی اس آیت کی حقانیت اور کھل کر سامنے آتی ہے کہ

وَلَنۡ تَرۡضٰی عَنۡكَ الۡيَهُوۡدُ وَلَا النَّصٰرٰی حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمۡ کہ اے پیغمبر! یہود و نصاری آپ سے اس وقت تک ہر گز نہیں راضی ہوں گے' جب تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کے دین کی پوری پوری پیروی کرنے نہ لگ جائیں۔

قارئین گرامی! یومِ آزادی مناتے ہوئے ہمیں یہ بات ضرور یاد رکھنی چاہیے کہ سیکولرازم پر بننے والی عمارت ایسے ہی ہے' جیسے ریت پر بنا محل' ریت پر بنے محل کا مستقبل داؤ پر لگا ہوتا ہے کہ اب گرا کہ تب گرا' ایسے ہی اس بنیاد پر پھر پاکستان کو مضبوط بنانا تو دور کی بات' بچانا بھی مشکل ہو جائے گا۔ اس کے مقابلے میں کنکریٹ سے بھی زیادہ مضبوط بنیاد "پاکستان کا مطلب کیا۔۔۔ لاالہ الا اللہ" ہے' جسے اللہ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ اَصۡلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرۡعُهَا فِى السَّمَآءِ کہ یہ کلمے کی بنیادیں گہری اور پائیدار بھی ہیں اور اس پر قائم ہونے والی عمارت یا ریاست کا مستقبل بلند اور دیر پا بھی ہو گا۔ والسلام

اخوکم فی اللہ
محمد خرم شہزاد

فہمِ قرآن

آلِ عمران: 38-40

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ
رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ 38

ترجمہ: اس موقع پر زکریا علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی، کہنے لگے: ''یا رب! مجھے خاص اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرمادے۔ بے شک تو دعا کا سننے والا ہے۔'' 38

تشریح نمبر 1: حضرت مریم علیہا السلام کے پاس اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بے موسم کے پھل آیا کرتے تھے۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے یہ دیکھا تو انھیں توجہ ہوئی کہ جو خدا ان کو بے موسم کے پھل دیتا ہے وہ مجھے اس بڑھاپے میں اولاد بھی دے سکتا ہے، چناں چہ انھوں نے یہ دعا مانگی۔

فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ
اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًۢا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا
وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ 39

ترجمہ: چناں چہ (ایک دن) جب زکریاؑ عبادت گاہ میں نماز پڑھ رہے تھے، فرشتوں نے انھیں آواز دی کہ ''اللہ آپ کو یحییٰ کی (پیدائش) کی خوش خبری دیتا ہے، جو اس شان سے پیدا ہوں گے کہ اللہ کے ایک کلمے کی تصدیق کریں گے، لوگوں کے پیشوا ہوں گے، اپنے آپ کو نفسانی خواہشات سے مکمل طور پر روکے ہوئے ہوں گے اور نبی ہوں گے اور ان کا شمار راست بازوں میں ہوگا۔'' 39

تشریح نمبر 2: اللہ کے کلمے سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ جیسا کہ اس سورت کے شروع میں اوپر واضح کیا گیا ہے۔ انھیں ''کلمۃ اللہ'' اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ باپ کے بغیر اللہ کے کلمہ ''کُن'' سے پیدا ہوئے تھے۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام ان سے پہلے پیدا ہوئے اور انھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد کی تصدیق فرمائی۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی یہ خاص صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ اپنی نفسانی خواہشات پر پورا قابو رکھنے والے ہوں گے۔ یہ صفت اگرچہ تمام انبیا علیہم السلام میں پائی جاتی ہے، لیکن ان کا خاص طور سے اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں اس درجہ مشغول رہتے تھے کہ ان کو نکاح کرنے کی طرف رغبت نہیں ہوئی۔ اگرچہ عام حالات میں نکاح سنت ہے اور اس کی ترغیب دی گئی ہے، لیکن اگر کوئی شخص اپنے نفس پر اتنا قابو یافتہ ہو جیسے حضرت یحییٰ علیہ السلام تھے تو اس کے لیے کنوارا رہنا بلا کراہت جائز ہے۔

قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ ۗ
قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ 40

ترجمہ: زکریا علیہ السلام نے کہا: ''یا رب! میرے یہاں لڑکا کس طرح پیدا

ہوگا، جب کہ مجھے بڑھاپا آپہنچا ہے اور میری بیوی بانجھ ہے؟'' اللہ نے کہا: ''اسی طرح اللہ جو چاہتا ہے، کرتا ہے۔'' 40

تشریح نمبر 3: دعا حضرت زکریا علیہ السلام نے خود مانگی تھی۔ اس لیے یہ سوال خدا نخواستہ کسی بے یقینی کی وجہ سے نہیں تھا، بل کہ ایک غیر معمولی نعمت کی خبر سن کر تعجب کا اظہار کیا تھا، جو درحقیقت شکر کا ایک انداز ہے۔ نیز سوال کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کیا بچہ اسی بڑھاپے کی حالت میں پیدا ہوجائے گا یا ہماری جوانی لوٹادی جائے گی؟ اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا: ''اسی طرح!'' یعنی لڑکا اسی بڑھاپے کی حالت میں پیدا ہوگا۔

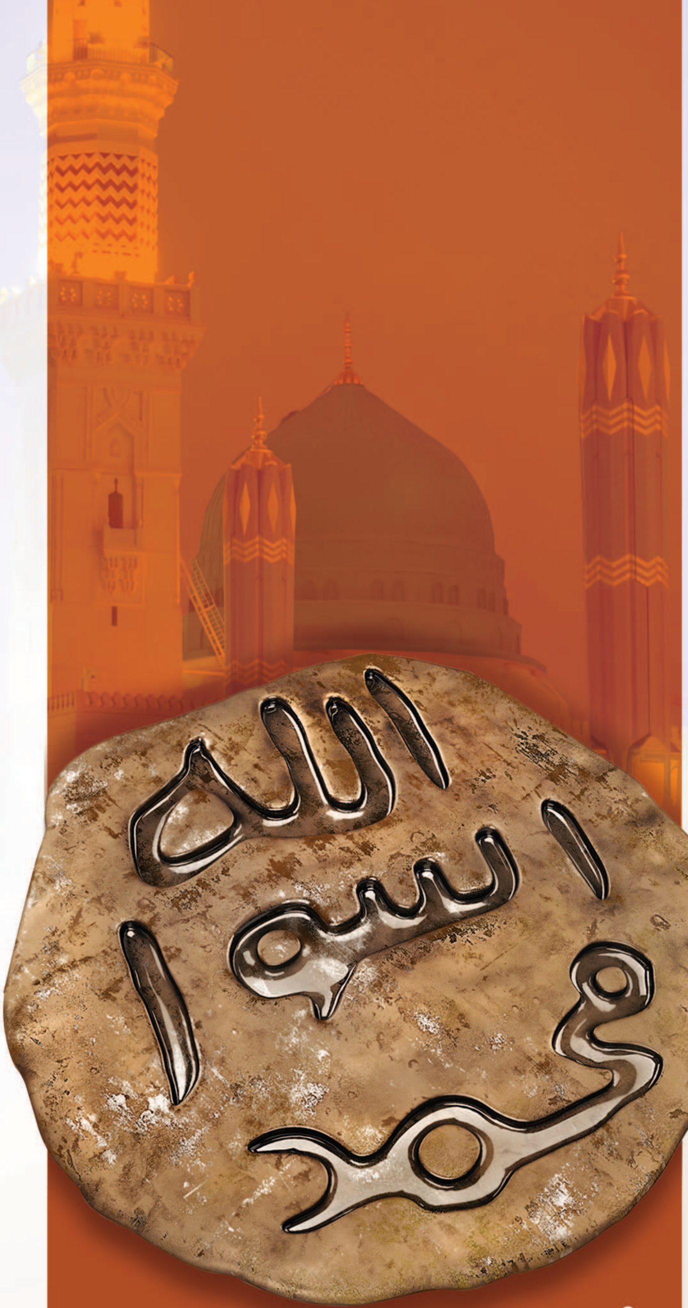

فہمِ حدیث

مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ يَا اَيُّهَا النَّاسُ قَدْ فُرِضَ عَلَيْكُمُ الْحَجُّ فَحُجُّوْا فَقَالَ رَجُلٌ اَكُلَّ عَامٍ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَسَكَتَ حَتّٰى قَالَهَا ثَلٰثًا فَقَالَ لَوْ قُلْتُ نَعَمْ لَوَجَبَتْ وَلَمَا اسْتَطَعْتُمْ ثُمَّ قَالَ ذَرُوْنِيْ مَا تَرَكْتُكُمْ فَاِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِكَثْرَةِ سُؤَالِهِمْ وَاخْتِلَافِهِمْ عَلٰى اَنْبِيَاءِهِمْ فَاِذَا اَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ فَأْتُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَدَعُوْهُ

ترجمہ... حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن خطبہ دیا اور اس میں فرمایا: اے لوگو! تم پر حج فرض کر دیا گیا ہے' لہٰذا اس کو ادا کرنے کی فکر کرو۔ ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! کیا ہر سال حج کرنا فرض کیا گیا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے اس کے جواب میں سکوت فرمایا اور کوئی جواب نہیں دیا' یہاں تک کے اس شخص نے تین دفعہ اپنا وہ سوال دہرایا تو آپ ﷺ نے (ناگواری کے ساتھ) فرمایا کہ "اگر میں تمہارے اس سوال کے جواب میں کہہ دیتا کہ ہاں! ہر سال حج کرنا فرض کیا گیا" تو اسی طرح فرض ہو جاتا اور تم ادا نہ کر سکتے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے ہدایت فرمائی کہ کسی معاملہ میں جب میں خود تم کو کوئی حکم نہ دوں' تم مجھ سے حکم لینے (اور سوال کر کر کے اپنی پابندیوں میں اضافہ کرنے) کی کوشش نہ کرو' تم سے پہلی امتوں کے لوگ اسی لیے تباہ ہوئے کہ وہ اپنے نبیوں سے سوال بہت کرتے تھے اور پھر ان کے احکام کی خلاف ورزی کرتے تھے۔ لہٰذا (میری ہدایت تم کو یہ ہے کہ) جب میں تم کو کسی چیز کا حکم دوں تو جہاں تک تم سے ہو سکے اس کی تعمیل کرو اور جب تم کو کسی چیز سے منع کروں تو اس کو چھوڑ دو۔ (صحیح مسلم)

تشریح... جامع ترمذی وغیرہ میں قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ' سے بھی مروی ہے۔ اس میں یہ تصریح ہے کہ

رسول اللہ ﷺ کی طرف سے حج کی فرضیت کا یہ اعلان اور اس پر یہ سوال وجواب جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ' کی مندرجہ بالا حدیث میں ذکر کیا گیا ہے سورہ آلِ عمران کی اس آیت کے نازل ہونے پر پیش آیا تھا۔

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا (آل عمران: 97)

"اللہ کے واسطے بیت اللہ کا حج کرنا فرض ہے ان لوگوں پر' جو اس کی استطاعت رکھتے ہوں۔" حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں ان صحابی کا نام مذکور نہیں ہے' جنہوں نے حضور ﷺ سے سوال کیا تھا کہ "کیا ہر سال حج کرنا فرض کیا گیا ہے؟" لیکن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ' کی اسی مضمون کی حدیث جس کو امام احمد' دارمی اور نسائی وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ اس میں تصریح ہے کہ یہ سوال کرنے والے اقرع بن حابس تمیمی تھے۔ یہ ان لوگوں میں ہیں جنہوں نے فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا۔ ان کو تعلیم وتربیت حاصل کرنے کا ابھی پورا موقع نہیں ملا تھا' اسی لیے ان سے یہ لغزش ہوئی کہ ایسا سوال کر بیٹھے اور جب حضور ﷺ نے کوئی جواب نہیں دیا تو پھر دوبارہ اور سہ بارہ سوال کیا۔

رسول اللہ ﷺ نے جو یہ فرمایا کہ "اگر میں ہاں کر دیتا تو ہر سال حج کرنا واجب ہو جاتا۔" اس کا مطلب یہ ہے کہ سوال کرنے والے کو سوچنا سمجھنا چاہیے تھا کہ میں نے حج کے فرض ہونے کا جو حکم سنایا تھا اس کا تقاضہ اور مطالبہ عمر بھر میں بس ایک حج کا تھا۔ اس کے بعد ایسا سوال کرنے کا نتیجہ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ اگر میں ہاں کہہ دیتا (اور ظاہر ہے کہ آپ ہاں جب ہی کہتے جب اللہ کا حکم ہوتا) تو ہر سال حج کرنا فرض ہو جاتا اور امت سخت مشکل میں پڑ جاتی۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگلی امتوں کے بہت سے لوگ کثرتِ سوال اور قیل وقال کی اسی بری عادت کی وجہ سے تباہ ہوئے۔ انھوں نے اپنے نبیوں سے سوال کر کر کے شرعی پابندیوں میں اضافہ کرایا اور پھر اس کے مطابق عمل کر نہیں سکے۔

حدیث کے آخر میں رسول اللہ ﷺ نے ایک بڑی اہم اور اصولی بات فرمائی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "جب تم کو کسی چیز کا حکم دوں تو جہاں تک تم سے ہو سکے اس کی تعمیل کرو اور جس چیز سے منع کروں اس کو ترک کردو۔" مطلب یہ ہے کہ میری لائی ہوئی شریعت کا مزاج' سختی اور تنگی نہیں ہے' بلکہ سہولت اور وسعت کا ہے۔ جس حد تک تم سے تعمیل ہو سکے اس کی کوشش کرو۔ بشری کمزوریوں کی وجہ سے جو کمی' کسر رہ جائے گی' اللہ تعالیٰ کے رحم وکرم سے اس کی معافی کی امید ہے۔

pg07
Shangrilla

گناہ کی آگ کیسے بجھائیں

حضرت مولانا عبدالستار حفظہُ اللہ

ہمارا فریضہ: امر بالمعروف یعنی نیکی کی تعلیم دینا اور نہی عن المنکر یعنی گناہوں سے روکنا یہ ہماری زندگی کا وظیفہ ہے، اگر ہم ہمت نہیں کریں گے، تو پھر ہمارے گھروں میں گناہوں کو داخل ہونے سے کوئی نہیں روک سکے گا۔ پھر ہماری محفلوں اور شادی بیاہ میں گناہوں کو داخل ہونے سے کوئی نہیں روک سکے گا۔ پھر ہر طرف گندگی ہی گندگی ہو گی اور رفتہ رفتہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ گناہوں کا احساس ہی دل سے نکل جائے گا۔ آج حالت یہ ہے کہ مسلمان گناہوں سے مانوس اور نیکیوں سے نامانوس ہو گیا ہے اور اس کی وجہ صرف اور صرف یہی ہے کہ مسلمان نے اپنے کام "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" کو چھوڑ دیا ہے۔

برائی کو روکیں: دوست اور تعلق والا اگر گناہوں کے اندر مبتلا ہے تو اسے صرف تنبیہ کر دینا کافی نہیں ہے بلکہ جہاں جہاں مفید ہو سکتا ہے وہاں منکرات ختم کرنے کا پورا اہتمام ہونا چاہیے! مثلاً اپنی اولاد، اپنے ماتحت اور اپنے زیر دست لوگوں میں۔ اس لیے کہ اگر ان کے گناہوں میں مبتلا ہونے کے باوجود ہم ان کے ساتھ کوئی ایسا معاملہ نہ کریں جس سے ظاہر ہو کہ ہمیں گناہوں سے نفرت ہے تو گویا ہم بھی ان کے اس کام میں برابر کے شریک اور معاون ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق اسی بداعمالی کی وجہ سے اللہ نے بظاہر نیکو کاروں کے دل بھی گناہ گاروں کے دلوں کے ساتھ خلط کر دیئے ہیں۔ کیا مطلب؟ مطلب یہ کہ اللہ رب العزت نے ان کے اندر سے بھی گناہوں کی شناعت اور گندگی کو محسوس کرنے والی طاقت کو سلب کر لیا اور گناہوں اور نیکیوں کے درمیان فرق کرنے کی تمیز سے انہیں محروم کر دیا۔

ایمان سلب ہو جاتا ہے: آج یہ مرض ہمارے معاشرے کے اندر پھیل چکا ہے کہ ہم گناہ ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں اور اسے روکتے نہیں ہیں۔ برے دوست کو برائی کے اندر مبتلا دیکھتے ہیں لیکن نہ تو اسے اس برائی سے منع کرتے ہیں اور نہ ہی اس سے دور ہٹتے ہیں۔ جاننے کے باوجود ایسی محفلوں میں شریک ہوتے ہیں جن میں اللہ کی نافرمانی ہو رہی ہوتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس محفل میں مخلوط میل جول ہو گا، اللہ رب العزت کی بغاوت ہو گی، سب کچھ ہو گا لیکن پھر بھی کہتے ہیں کہ اس میں کیا حرج ہے؟ یہ تو سب ہی کر رہے ہیں۔ بالکل حرج ہے اس لیے کہ اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایسا کرنے سے اللہ تمہارے اندر سے ایمان کو سلب کر لے گا، تمہارے اندر سے بھی گناہوں کی نفرت ختم ہو جائے گی۔

ایمانی غیرت کا ثبوت دیں: اگر کوئی شخص میری ماں کو برا بھلا کہہ رہا ہو، میرے باپ کو برا بھلا کہہ رہا ہو، تو اگر میں اپنے ماں باپ کا حقیقی بیٹا ہوں تو کس طرح اس کے ساتھ تعلقات قائم رکھوں گا؟ کچھ اور نہ بھی کر سکا تو کم از کم اس سے دوری اختیار کر لوں گا۔ اسی طرح جو آدمی واقعی اللہ کا نیک بندہ ہو، اللہ کا فرماں بردار بندہ ہو تو وہ کس طرح اللہ کی نافرمانی والی محفل میں شریک ہو سکتا ہے۔ کس طرح ایسی مجلس میں شریک ہو سکتا ہے جہاں اللہ کی بغاوت ہو رہی ہو، جس میں اللہ کے دین کا خوب مذاق اڑایا جا رہا ہو، یہ تو غیرت ایمانی کے خلاف ہے۔ اس لیے اس بات کا خوب اہتمام کیا جائے کہ نہ تو ایسی مجالس میں شریک ہوا جائے اور نہ ہی ایسے لوگوں سے دوستی رکھی

جائے جو کھلے طور پر اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں کر رہے ہیں تا کہ ہم اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے محفوظ رکھ سکیں۔

اختیار استعمال کریں: بعض اوقات صورت حال یہ ہوتی ہے کہ اس گناہ کو ختم کرنا ہمارے دائرہ اختیار میں ہوتا ہے' گھر سے منکرات کو نکالا جا سکتا ہے' بیٹوں کو روک سکتا ہے' بیٹی کو روک سکتا ہے' اپنے ماتحتوں کو باز رکھ سکتا ہے تو اب اس کے ذمے بھی یہی ہے کہ اپنے اختیار کو استعمال کرتے ہوئے گناہ نہ ہونے دے' اللہ کا حکم نہ ٹوٹنے دے اور اگر اختیار کے باوجود بھی نہیں تو کرے اور کہے گا گا تو اس جرم میں یہ بھی برابر کا شریک ہوگا' آنے والی نحوست بھی اس پر پڑے گی' آنے والے عذاب کے اندر یہ بھی مبتلا ہو گا۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ صورت حال اس کے قابو میں نہیں ہوتی کہ ہاتھ سے روکنے کی طاقت نہیں رکھتا لیکن زبان سے اس پر نکیر کر سکتا ہے' ایسے وقت میں اس کی ذمے داری بھی یہی ہے کہ زبان سے ان گناہوں کی برائی اور نحوست لوگوں کے سامنے بیان کرے' ان سے کہے یہ اللہ کی نافرمانی ہے' اگر ایسا نہیں کرے گا تو بھی برابر کا شریک شمار ہو گا۔ اگر صورت حال اس سے بھی زیادہ کمزور ہو کہ زبان سے کہنے کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو ایمان کا کمزور ترین درجہ یہ ہے کہ دل میں اسے برا سمجھے' دل سے اس کی ناپاکی کا قائل ہو' اگر اس وقت دل میں بھی اس کو برا خیال نہیں کرے گا تو یہ بھی شریک جرم ہو گا۔

نحوست کا سبب کیا ہے؟ آج لوگ کہتے ہیں کہ دفتر میں بڑی بے برکتی ہے' فیکٹری کے اندر بہت مسائل پیدا ہو گئے ہیں۔ ارے میاں! تم جو گناہ کر رہے ہو' اللہ کو جو ناراض کر رہے ہو' اپنے ماتحتوں کے اندر اللہ کی نافرمانیاں دیکھنے کے باوجود انہیں نظر انداز کر رہے ہو' کیا نحوست کے لیے یہ اسباب کم ہیں؟ اللہ کا معاملہ تو ہمارے ساتھ بڑی شفقت والا ہے' بڑی نرمی والا ہے ورنہ ہم تو اس سے کہیں زیادہ کے مستحق ہیں۔

دین دار طبقے کی ذمے داری: اگر دین دار طبقہ (جنہیں رب نے اپنے در پر آنے کی توفیق عطا فرمائی ہے) ہمت نہیں کرے گا تو' تو پھر یہ آخری حالت بھی آئے گی اور آ رہی ہے۔ ہم منکرات کو بہت معمولی سمجھتے ہیں' کہتے تو ہیں کہ اوہو! کیسی محفل تھی؟ اَستَغفِرُاللہ' اَستَغفِرُاللہ' بڑا خراب ماحول تھا لیکن پھر بھی وہاں پہنچ جاتے ہیں۔ یہ طرز عمل دین کے لیے سخت نقصان دہ ہے۔ دین دار طبقے کو گناہ کرتے دیکھ کر عوام کی ہمت بندھتی ہے کہ وہ گناہ کریں۔ لہٰذا اگر ہم ہی ہمت نہیں کریں گے تو پھر معاشرے سے گناہ ختم نہیں ہوں گے' پھر ہماری محفلوں کے اندر روز بروز گناہوں کا اضافہ ہوتا رہے گا' ہماری خوشیاں گناہوں کا مجموعہ بن جائیں گی' ہماری محفلیں گناہوں کا مجموعہ بن جائیں گی اور ہم اس میں برابر کے شریک ہوں گے۔

اللہ کا احساس کیجیے! ایسا لگتا ہے کہ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نبوت والی آنکھ سے میرے ماحول کو دیکھ لیا تھا' میرے معاشرے کو دیکھ لیا تھا' میری سوسائٹی کو دیکھ لیا تھا۔ اس لیے کہ آج دوستیاں اسی بنیاد پر ہوتی ہیں کہ میاں اللہ کی نافرمانی رات کو کرنی ہے' اللہ کی نافرمانی والی فلاں محفل اور پارٹی میں جانا ہے۔ اس کے بغیر دوست دوست نہیں رہتے۔ آج ماں باپ بھی بیٹی سے کہتے ہیں کہ بیٹی یہ کیا کر رہی ہو؟ پردہ ایسے ضروری نہیں' ایسے بھی ہو سکتا ہے۔ باپ بھی کہتا ہے: بیٹے! ابھی تیرے چہرے پر داڑھی کا موسم نہیں آیا' یہ تو بڑھاپے میں رکھی جاتی ہے۔ ارے! یہ کیسا ظالم باپ ہے؟ کیسے اپنی قبر کو اندھیر کوٹھڑی بنا رہا ہے؟ اسے یہ احساس نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے بارے میں کس انداز سے گفتگو کر رہا ہوں۔

مرد کا حسن، خواتین کا زیور: اگر یہ بھی نبی کی توہین نہیں ہے تو اور کسے نبی کی توہین کہیں گے؟ ارے! اللہ کی قسم اگر اس داڑھی کے اندر حسن نہ ہوتا' تو اللہ تعالیٰ اپنے پیارے نبی کو یہ داڑھی نہ دیتے۔ اگر عورت کے لیے شرم و حیا کی زندگی زیور نہ ہوتی تو اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ اپنے پیارے دین کے اندر یہ حکم کبھی بھی نہ دیتے۔ شرم و حیا عورت کا زیور ہے اور داڑھی مرد کا حسن ہے۔

یہ وہی دور ہے جسے میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کی آنکھ سے دیکھ لیا تھا اور فرمایا تھا کہ ایک دور آئے گا' لوگ برائی کی تلقین اور ترغیب دیں گے اور نیکیوں سے روکیں گے' نیکیوں سے باز رکھنے کی باتیں کریں گے۔ یہ اس وقت ہو گا' جب دنیا کی عظمت دلوں میں بس جائے گی اور آخرت کو لوگ بھلا دیں گے۔

تین بڑے نقصانات: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق جب امت دنیا کو ہی سب کچھ سمجھنے لگے گی تو تین بڑے نقصانات سے دوچار ہو گی۔ وہ نقصانات یہ ہیں: ''جب میری امت دنیا کو بڑی چیز سمجھنے لگے گی تو اسلام کی ہیبت اور وقعت اس کے دل سے نکل جائے گی اور جب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑ دے گی تو وحی کی برکات سے محروم ہو جائے گی اور جب آپس میں گالی گلوچ اختیار کرے گی تو اللہ کی نظروں سے گر جائے گی۔''

ایمان کا تقاضا: ہمارے اور آپ کے ایمان کا تقاضا ہے۔ یہ زندگی کا وظیفہ اور فریضہ ہے کہ ہم اللہ کی نافرمانی دیکھیں تو بے چین ہو جائیں۔ اسے روکنے کے لیے فوری طور پر ہم سے کچھ ہو سکتا ہے تو اس کے کرنے میں پس و پیش نہ کریں۔ یہ ہماری ذمہ داری بنتی ہے۔ اگر نہیں کریں گے تو پھر ان نافرمانیوں کی نحوست سے بھی نہیں بچ سکیں گے۔ پہلے اور آج کے مسلمانوں میں فرق: حضرت حسن بصری رحمہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے: اگر پہلے والے مسلمان جو نیکیوں سے مانوس تھے' آج کے مسلمانوں کو دیکھیں تو انہیں یقین نہ آئے کہ یہ مسلمان ہیں اور اگر وہ زندہ ہو جائیں تو ہمیں یقین نہ آئے یہ تندرست ہیں یا مجنون (پاگل) ہیں' اس لیے کہ ہم ان نیکیوں سے مانوس نہیں اور وہ ہمارے گناہوں سے مانوس نہیں۔ وہ نیکیوں سے مانوس تھے کہ ان کی راتیں اللہ کی عبادت میں گزرا کرتی تھیں اور ہم گناہوں سے مانوس ہیں اس لیے ہماری راتیں اللہ کی نافرمانی میں گزرتی ہیں۔

کوشش پختہ عزم کے ساتھ: اگر کسی اللہ والے سے تعلق ہو تو اس سے پوچھ لیا جائے کہ میں کس طریقے سے اپنی زندگی سے' اپنی محفل سے' اپنے گھر سے' ان گناہوں کو ختم کر سکتا ہوں؟ ان سے تدبیر پوچھیں' ان سے دعائیں لیں اور پھر ہمت کر کے ان پر عمل کرنے کی کوشش کریں' ان تدبیروں پر عمل پیرا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آسان کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ ایسے نہیں ہیں کہ کوئی ان کی طرف چلنا چاہیے اور وہ اس کے لیے راستہ نہ کھولیں۔ اگر کوئی پختہ عزائم اور ارادوں کے ساتھ چاہے کہ میں اپنے ماحول کو گناہوں سے پاک کروں تو اللہ رب العزت اس کے لیے آسانیاں ضرور پیدا فرماتے ہیں' اس کی رہنمائی ضرور فرماتے ہیں۔

اگر کوئی مشکل آ بھی جائے تو یہ سوچیں کہ اللہ کے دین کی خاطر مشکل آئی ہے' اس پر بھی اللہ مجھے اجر و ثواب سے نوازے گا' یہ میرے لیے سرمایۂ آخرت ہے' یہ تو میرے لیے دولت ہے۔ آج اگر کوئی مجھے طعنے دے رہا ہے' مجھے کوئی برا بھلا کہہ رہا ہے تو میری مناسبت اپنے نبی سے ہو رہی ہے کہ میرے نبی کو یہ سب کچھ کہا گیا ہے' میرے نبی کے صحابہ کو بھی یہ سب کچھ کہا گیا ہے' تو مناسبت ہو رہی ہے' اس لیے گھبرائیں نہیں اور ہمت کر کے اس فریضے کی ادائیگی کی فکر کریں' اور اسے اپنی زندگی کا وظیفہ بنائیں۔ اللہ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے!

وقت کی اہم ترین ضرورت

استحکامِ پاکستان

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

اس وقت ملک کی اہم ترین ضرورت یہ ہے کہ اس ملک میں اصلاح معاشرہ کی کوشش کی جائے اور مہم چلائی جائے۔اس وقت ملک کی بنیادی ضرورت اصلاح معاشرہ ہے۔دولت میں جو مسابقت کا جذبہ اور دوڑ پیدا ہو گئی ہے‘اس سے اس معاشرے کو بچانے کی ضرورت ہے۔یہ اس وقت کا اہم ترین کام ہے‘بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ فَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ کہ کسی نووارد کے اور کسی دورافتادہ بھائی کے کہنے سے اور زور دینے سے ایک خیال ابھر آتا ہے۔اس بنا پر میں عرض کرتا ہوں کہ خلافتِ عثمانیہ کے سقوط کے بعد اس سے بڑا حادثہ نہیں ہوگا کہ پاکستان انتشار کا شکار ہو۔میں ہر چیز کو اس کے مقابلے میں ثانوی سمجھتا ہوں۔پاکستان مستحکم رہے‘پاکستان اپنا اسلامی‘اخلاقی کردار ادا کرسکے‘یہ ملک کی سب سے بڑی اور پہلی ضرورت ہے۔اس کے بعد کے قصے ثانوی اور ثالثی درجے کے ہیں۔وہ بالکل حاشیے کی باتیں ہیں۔موت و حیات کا فیصلہ کرنے والی جو چیز ہے وہ یہ ہے کہ پاکستان باقی رہے‘پاکستان مستحکم رہے‘پاکستان انتشار سے محفوظ رہے‘پاکستان اپنا امتیاز ثابت کرسکے۔اس کے لیے اصلاح معاشرے کی ضرورت ہے‘یہ اخلاقی زوال جو تیزی کے ساتھ آرہا ہے اسے روکا جائے‘افراطِ زر کے بد ترین نتائج و اثرات جو ہمارے معاشرے پر مرتّب ہو رہے ہیں‘ان میں کسی درجے میں بریک لگایا جائے‘مسجدوں کے منبروں سے یہ صدا بلند کی جائے‘سیاسی انجمنوں کے اسٹیجوں سے اور اس جیسی مؤتمر اسلامی اور اس طرح کی تنظیموں کے پلیٹ فارم سے بھی یہ بات کہی جائے۔پاکستان کو بچانے کے لیے اس وقت دو چیزوں کی سخت ضرورت ہے۔ایک تو اس کو عقائدی اور مذہبی انتشار سے بچایا جائے جو اس کے لیے سخت خطرناک ہے۔مختلف گروہ بنے ہوئے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ پاکستان پر ان کی جماعت کا اقتدار ہو۔اصل میں میرے پیشِ نظر صرف یہ ہے کہ اقتدارِ اعلیٰ پر جو بھی فائز ہو وہ ہم سے پوچھ کر کام کرے اور دنیا کو یہ معلوم ہو کہ اس مسلک و خیال کے لوگ یہاں زیادہ قابلِ اعتماد اور قابلِ احترام سمجھے جاتے ہیں۔

دوسرے سیاسی انتشار سے ملک کو ہر قیمت پر بچایا جائے‘ہر کمزوری کو برداشت کیا جائے‘ستّر کمزوریوں کو برداشت کیا جائے‘لیکن پاکستان کے استحکام کو‘اس کی وحدت کو اور اس کی سالمیت کو ہرگز خطرے میں نہ ڈالا جائے۔سب گوارہ کیجیے اور اپنے ذمہ داروں کی غلطیوں کو برداشت کیجیے۔دیکھیے میں اس گروہ سے تعلق رکھتا ہوں جو خلافتِ اموی کو معیاری نہیں سمجھتا اور میرا تاریخی مطالعہ بھی یہی بتاتا ہے‘لیکن میں اس کو مسلمانوں کی بصیرت سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں نے خلفائے بنی امیّہ‘پھر خلفائے بنی عباس کو (جو خلفائے راشدین کے معیار کے ہرگز نہیں تھے) حکومت کرنے کا موقع دیا اور روز روز ان کے خلاف خروج نہیں کیا‘نہ ہر مرتبہ هَلْ مِن جَدِيدٍ؟ هَلْ مِن جَدِيدٍ؟ کا نعرہ لگایا۔اس کے نتیجے میں اتنی بڑی سلطنت بنی اور اسلام کی اشاعت ہوئی اور اس برِّ صغیر تک اسلام کی شعائیں پہنچیں۔اس میں صرف ایک ہی ہستی کا استثنا ہے اور وہ سیّدنا امام حسین رضی اللہ عنہ ہیں۔ان کے متعلق برملا کہوں گا کہ ان کا اقدام صحیح تھا اور جب اس طرح کے حالات ہوں‘جن کے برداشت کرنے کی (از روئے شرع دینی بصیرت) بالکل گنجائش نہ ہو تو اہلِ عزیمت و بصیرت کے سامنے ان کی مثال اور ان کا نمونہ ہے رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

حضرات...!تاریخ بتاتی ہے کہ بہترین جمہوریتوں کے زمانے میں بھی جب معاشرہ کرپٹ ہو گیا‘فاسد ہو گیا تو اس نے ان جمہوریتوں کے چراغ گل کردیے اور ان کے لیے جتنے امکانات کامیابی کے ہو سکتے تھے‘سب ختم کردیے۔معاشرہ صحت مند ہے‘معاشرہ اخلاقی معیار رکھتا ہے تو بہتر سے بہتر ریاست قائم ہو سکتی ہے۔بہتر سے بہتر انتظامیہ بن سکتی ہے‘لیکن معاشرہ اگر اپنی خصوصیتوں کو کھو چکا ہے تو کوئی بڑی سے بڑی جمہوریت بھی کامیاب نہیں ہو سکتی اور کوئی سامری بھی اس گوسالہ میں روح نہیں پھونک سکتا۔

pg11
Arabian

قابلِ اقتدا ہستیاں

مسعر بن کدام رحمۃ اللہ علیہ

حذیفہ رفیق

صالحین کا تذکرہ ایک طرف تو باعثِ برکت اور رحمت ہے اور دوسری طرف ان کے حالات ہم جیسوں کے لیے قابلِ عبرت بھی ہیں اور یقیناً ان محدّثین اور علما کے حالات اور واقعات دیکھ کر عبادت کا جذبہ اور آخرت کی ہمیشہ ہمیشہ کی نعمتوں کی رغبت پیدا ہوتی ہے۔ اس لیے اس سلسلے میں تابعین اور ان کے بعد آنے والے محدّثین کے مختصر حالات لکھے جاتے ہیں۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ یہ تو وہ لوگ تھے، جن پر اُمتِ اسلامیہ پر فخر تھا اور ہے۔ ان کے کارنامے رہتی دنیا تک کے لیے بہت بڑا سبق ہیں، لیکن آج ان کے نام صرف کتابوں کی زینت بن گئے ہیں۔ ان کے جاننے اور پڑھنے والے بھی ناپید اور کمیاب ہوتے جا رہے ہیں۔ چہ جائیکہ ان کو اپنی زندگیوں کے رہبر اور رہنما سمجھیں اور اپنی روز مرّہ کی زندگی کو ان کے طرزِ حیات میں ڈھالیں۔

اور یہ بالکل حقیقت ہے کہ وہ کامیابی اور سعادت کی شاہراہ پر تھے۔ دنیا میں اللہ نے ان کو عزتوں کی چوٹیوں پر پہنچایا اور سدا ان کے نام عظمت و احترام سے لیے جائیں گے اور مرنے کے بعد آخرت کی زندگی، اس کے لیے تو انھوں نے ساری زندگی انتظار کیا تھا اور اپنے رب سے ملاقات کی خاطر تو وہ زندگی کی تمام تلخیوں کو انتہائی خوش دلی سے سہہ گئے تھے، چناں چہ پھر جب وہ اس جہاں سے روانہ ہوئے تو ان کے جانے پر آسمانوں میں چراغاں ہوا۔ فرشتوں نے فوج در فوج ان کا استقبال کیا، حوروں نے مبارک باد پیش کی، جنت اور اس کی نا ختم ہونے والی اور دائرہ تصور سے بالاتر نعمتوں کی خوش خبریاں دیں اور وہ اللہ رب العالمین کے مہمان بنے اور اللہ رب العالمین خود ان کا میزبان بنا...!!!

اب کیا ہمیں زیب دیتا ہے کہ ہم ایسی بلند پایہ ہستیوں کو چھوڑ کر ان لوگوں کی اقتدا کریں، جن کی تہذیب صرف اسلام ہی کی نہیں بل کہ انسانیت کی توہین ہے اور شائستگی اور وقار کے نام پر دھبّہ ہے۔ جہاں آخرت سے پہلے دنیا برباد ہوتی ہے، اخلاقی اقدار کو روندا جاتا ہے، لبادہ شرم و حیا کا تار تار کیا جاتا ہے اور بھی بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے لیکن یہاں مقصود نہیں۔ برائی کو ختم کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اس کا تذکرہ بند کر دیا جائے۔ بس اس کو علامہ محمد اقبالؒ کے ایک شعر پر ختم کرتا ہوں، جس میں ایک عظیم نصیحت ہے جو انھوں نے تقریباً 80، 70 سال پہلے کی تھی، لیکن یہ آج بھی ہماری ضرورت ہے۔ فرماتے ہیں۔

سورج ہمیں ہر شام یہ درس دیتا ہے اقبالؔ
مغرب کی طرف جاؤ گے تو ڈوب جاؤ گے

مِسعر کوفہ کے محدّث تھے اور بڑے محدّثین میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ کسی نے ایک دوسرے محدّث (اعمشؒ) سے یوں کہا کہ ”مسعر بعض دفعہ حدیث کسی تردّد سے بیان کرتے ہیں، پورے جزم اور وُثوق سے نہیں بیان کرتے، چناں چہ آپ کی کیا رائے ہے؟“

حدیث چوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ایک بات منسوب کرنے کا نام ہے اور جو بات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب ہو گئی وہ دین اور شریعت ہے اور رہتی دنیا تک اس پر عمل کیا جائے گا۔ اس لیے محدّثین، ہر حدیث بیان کرنے والے محدّث اور راوی (حدیث نقل کرنے والے) کے حالات اور طور طریقے اور چال چلن کا بہت گہری نگاہ سے جائزہ لیتے تھے۔ چلنا پھرنا، اُٹھنا بیٹھنا، بات چیت، نشست و برخاست اور بھی بہت کچھ دیکھا جاتا ہے اور سب سے بڑھ کر حدیث بیان کرنے کا طریقہ اور اسلوب اور حدیث کہاں سے پڑھی اور کس سے سنی وغیرہ وغیرہ... یہ سب معلومات محدّثین، ہر محدّث کے بارے میں جمع کرتے تھے۔ جو آج تک کتابوں میں ان کی انتھک محنتوں کی نشاندہی کر رہی ہیں اور پھر وہ ان تمام معلومات اور حالات کو سامنے رکھ کر اس محدّث پر حکم لگاتے تھے کہ فُلاں محدّث کی حدیث مقبول ہے یا نہیں؟ اور اگر ہے بھی تو کس درجے کی ہے؟ اور اس حکم لگانے میں وہ نہ کسی ذاتی وجاہت کا لحاظ کرتے اور نہ کسی رشتہ داری اور قرابت داری کی خاطر اس دینی فریضہ میں نرمی کا پہلو اختیار کرتے اور نہ ہی کسی دنیاوی غرض کے لیے اس میں کوتاہی کرتے۔ چناں چہ مشہور کتاب ”سنن ابی داؤد“ کے مصنف امام ابو داؤد سجستانیؒ نے اپنے بیٹے عبد اللہ کے بارے میں فرمایا: ”میرا بیٹا عبد اللہ ضعیف ہے، اس کی بیان کردہ حدیث قابلِ اعتبار نہیں ہے!!“ ایک اور بڑے محدث امام شُعبہؒ فرماتے ہیں: ”اگر میں کسی کا لحاظ کرتا تو اپنے سالے ہشام بن حسّان کا لحاظ کرتا، لیکن میں اس کا

بھی لحاظ نہیں کروں گا۔اس کا حافظہ کمزور ہے‘اس لیے اس کی حدیث قابلِ غور ہے۔“

یہ ساری تفصیل اس لیے لکھی گئی ہے تا کہ آگے ایک محدّثِ عظیم اور وقت کے بہت بڑے عالم امام اعمشؒ کے حوالے سے جو بات نقل کی جارہی ہے‘اس کی اہمیت کا کچھ اندازہ ہو سکے‘ چناں چہ امام اعمشؒ سے جب کہا گیا کہ ”مِسعرؒ حدیث میں شک اور تردّد کرتے ہیں؟“ امام اعمشؒ نے اس کے جواب میں فرمایا: ”لوگو! مِسعرؒ جو حدیث شک کر کے بتائیں گے‘ وہ دوسروں کی ان ہی احادیث کی طرح ہیں جو وہ یقین سے بتائیں گے۔“ یعنی مسعرؒ کا شک بھی اوروں کے یقین جیسا ہے‘ پھر مسعرؒ کے یقین کا کیا عالم ہو گا؟ اس لیے مسعرؒ کے بارے میں بعض محدّثین نے فرمایا:

مِسعَرُ کَالمُصحَف مسعر تو قرآن پاک کی طرح ہے۔

اور بعد میں یہ ان کا لقب بھی بنا۔اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مسعر اپنے زمانے کے علما میں کیا مقام رکھتے تھے۔

آپؒ بہت زیادہ عبادت کرنے والے اور کثرت سے رونے اور آہ وزاری کرنے والے تھے۔ان کے صاحب زادے محمد بن مسعرؒ فرماتے ہیں: ”میرے والد رات کو سونے سے پہلے تک آدھا قرآن پڑھ لیا کرتے تھے‘ پھر کچھ دیر آرام فرماتے اور پھر دوبارہ تیزی سے اُٹھتے‘ اپنی مِسواک اور پانی کا لوٹا سنبھالتے‘ وضو کر کے مسجد کے محراب میں کھڑے ہو جاتے اور فجر تک اس طرح اپنے رب کے ساتھ مناجات میں مصروف رہتے اور اپنے اعمال اور عبادات کو حد درجے چھپاتے تھے۔“ یہی وہ سجدے ہیں اور راتوں کی آہیں ہیں‘ جن سے بندہ اللہ کے یہاں کوئی مقام حاصل کرتا ہے اور اللہ کا مقرّب بنتا ہے۔اللہ ہمیں بھی ایسی نمازوں اور مناجات کا کچھ حصہ نصیب فرمائے۔آمین

آپؒ اکثر خاموش رہتے تھے‘ آپؒ کے ساتھی کہتے ہیں: ”ہم میں سب سے زیادہ خاموش رہنے والے مسعرؒ ہیں۔“

ایک دفعہ گھر میں رونے لگے‘ آپؒ کو روتا دیکھ کر آپ کی والدہ بھی رونے لگیں۔

آپؒ نے پوچھا: ”امی جان! آپ کیوں روتی ہیں؟“

کہنے لگیں: ”بیٹا! تجھے دیکھ کر‘ مجھے بھی رونا آتا ہے۔“

آپؒ نے فرمایا: ”اماں! کل جن حالات کا ہمیں سامنا کرنا ہے اس کے لیے تو رو رو کر آنسوؤں کے سمندر بہا دینے چاہییں۔“

والدہ نے پوچھا: ”بیٹا! کیسے حالات؟“

اس پر آپؒ کی ہچکیاں بندھ گئیں رو رو کر۔آپؒ نے فرمایا: ”اماں جان! روزِ قیامت اور وہاں کی ہولناکیاں‘ حساب کتاب اور قبر کے حالات...“ پھر آپؒ سے رونا برداشت نہ ہوا اور اُٹھ کر اندر چلے گئے۔اکثر اوقات گریہ طاری رہتا تھا۔مسجد میں داخل ہوتے وقت اور نکلتے وقت آنکھوں سے آنسو جاری رہتے تھے۔

جس شخص کے سامنے آخرت کے یہ سارے مناظر ہوں‘ جنت کی نعمتیں اور محشر کی وحشتیں اور جہنم کی سزائیں ہوں۔اس کو دنیا کی فانی‘ ناپائیدار‘ ادھوری اور ناقص نعمتوں میں کیا لذّت آئے گی اور یہاں کے چھوٹے موٹے غموں میں وہ کیسے اُلجھے گا؟ آخرت میں پیش آنے والے بڑے بڑے حادثات نے اس کی عقل اُڑا رکھی ہے۔اب کسی چیز کی خوشی نہیں اور کسی کے جانے کا غم نہیں کہ جنت منزل ہے‘ وہاں پہنچ کر خوشی ہو گی اور سکون کا سانس لیں گے۔اللہ ہمیں بھی ان حضرات جیسا آخرت کی یاد کا ذوق نصیب فرمائے۔آمین

آپؒ کی والدہ بھی بڑی نیک خاتون اور بہت زیادہ عبادت کرنے والی تھیں اور آپؒ ان کی بہت خدمت کیا کرتے تھے۔یہاں تک کہ ایک مرتبہ فرمانے لگے: ”اگر مجھے والدہ کی خدمت اور ان کے پاس بیٹھنا نہ ہوتا تو میں بشری حاجت کے سوا مسجد سے باہر ہی نہ نکلتا۔“ یعنی مسجد سے باہر نکلنا صرف دو کاموں کے لیے ہے۔والدہ کی خدمت اور ان کی دل جوئی کے لیے اور انسانی تقاضے کے لیے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ”سات آدمی ایسے ہیں جنہیں اللہ رب العزت اپنے عرش کے سائے میں جگہ دے گا‘ جس دن اس کے عرش کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہ ہو گا۔(ان میں سے ایک وہ شخص ہے) جس کا دل ہر وقت مسجد میں اٹکا رہے۔“ (صحیح بخاری) یعنی وہ خود جہاں کہیں بھی ہو‘ لیکن اس کا دل مسجد میں اٹکا ہوا ہو کہ کب میں فارغ ہو کے مسجد میں پہنچ جاؤں اور عبادت میں لگ جاؤں۔آپؒ کی پیشانی سجدوں کی کثرت کی وجہ سے ایسی پھول گئی تھی‘ جیسے بکری کا گھٹنا اُبھرا ہوا ہوتا ہے۔

نام و نمود‘ شہرت اور مناصب سے کوسوں دور بھاگتے تھے۔اپنے اعمال کو بہت چھپاتے تھے اور لوگوں میں اپنا تذکرہ بالکل بھی پسند نہ تھا اور یہی شان ہوتی ہے ہر زمانے میں اللہ کے مخلص بندوں کی‘ لیکن اللہ نے علم اور تقویٰ کی مہک رکھی ہے۔متقی بندے کی محبت‘ اللہ کے غیبی نظام کے ذریعے اس کے نہ چاہتے ہوئے بھی لوگوں کے دلوں میں اُتر جاتی ہے اور لوگ اس کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں اور نظریں اس کی طرف خود بخود اُٹھتی ہیں۔مسعرؒ کے ساتھ بھی یہی معاملہ پیش آیا۔

خلیفہ وقت ابو جعفر منصور نے ان کو طلب کیا اور ایک علاقے کا منتظم اور صوبیدار بنانے کا ارادہ کیا۔صوبیدار بنانے کا مطلب یہ تھا کہ اس کے ساتھ بھاری وظیفہ مقرر ہو گا اور سرکاری کوٹھی اور جائیداد دی جائے گی اور عالی شان سواری ہو گی اور بڑی تعداد میں نوکر اور ملازمین حاضرِ خدمت رہیں گے اور اس سب کے علاوہ معاشرے میں‘ بالخصوص رؤسا‘ وُزرا اور اہلِ ثروت لوگوں کی نگاہوں میں اونچا مقام ہو گا اور عزت کی نگاہ سے دیکھے جائیں گے۔

خلاصہ یہ کہ دنیا کی ساری نعمتیں اس منصب کے ساتھ آنی تھیں‘ لیکن اس سب کو نظر انداز کر کے مسعرؒ نے کیا جواب دیا؟ وہ جواب اپنی سادگی کے باوجود ہم جیسوں کے لیے ایک بہت بڑا سبق لیے ہوئے ہے کہ دنیا سے کبھی جی نہ لگانا۔ انھوں نے خلیفہ سے کہا: ”امیر المؤمنین! میں معذرت چاہتا ہوں۔مجھے تو میرے گھر والے سودا سلف خریدنے کے لیے نہیں بھیجتے ہیں‘ کہتے ہیں تجھے سامان خریدنا نہیں آتا۔اللہ آپ کا بھلا کرے‘ آپ مجھے پورے علاقے کا انتظام سونپ رہے ہیں۔ذرا غور تو کریں کیا انجام ہو گا؟؟“ اس طرح خلیفہ نے ان کو چھوڑ دیا اور انھوں نے اس بڑی مشکل سے نجات پائی۔ (بقیہ ص 17 پر)

آزادی کا سفر

محمد کاشف تبسم

’’جشنِ آزادی‘‘ کا جملہ 14 اگست کو ہر سُو گونجتا ہے۔آزادی یقیناً اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے اور آزادیٔ پاکستان کی نعمت تو ہمیں آگ اور خون کا دریا عبور کر کے ملی ہے۔اس عظیم الشان نعمت پر ہمیں اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ ’’جشن‘‘ اور ’’شکر‘‘ میں بہت فرق ہے۔ایک مسلمان کو ’’جشن‘‘ نہیں ‘ بل کہ شکر بجا لانا چاہیے۔ہم ہر سال ’’جشن‘‘ کے نام پر ان شہدا کے ساتھ کیسا ظلم کرتے ہیں ‘ جو اپنا سب کچھ اس ’’آزادی‘‘ کی خاطر قربان کر گئے۔جنھوں نے اپنا آج ہمارے آج کے لیے قربان کر دیا تھا۔ان کی قربانیوں کا صلہ ہم انھیں ایصالِ ثواب کرنے ‘قربانی کے جذبے کے ساتھ نیکی کی راہ چلنے اور اس دیس کی فلاح و بہبود اور تعمیر و ترقی کے بجائے ’’رسمی جشن‘‘ منا کر دیتے ہیں اور اگر کہیں ان لاکھوں مہاجرین کی قربانیوں اور شہدا کا تذکرہ ہوتا بھی ہے تو بقول صوفی تبسمؔ

جھوٹے آنسو بہتے ہیں اور جھوٹے ماتم ہوتے ہیں

قابلِ غور پہلو یہ ہے کہ کہیں ہم فلک شگاف نعرے لگانے ‘ جھنڈے لہرانے اور رسمی بزمیں سجا سجا کر اپنی تمام تر غفلت ‘ سستی ‘ بے کاری ‘ بد عملی کی زندگی پر پردے ڈالنے کی ناکام کوششیں تو نہیں کر رہے ہوتے ...؟؟؟

ہمارے ملک کو حسنِ بیاں سے زیادہ حسنِ کردار کی ضرورت ہے بقول ذکی کیفیؒ

زمانہ ڈھونڈ رہا ہے عمل کے شیدائی
خطا معاف ‘ یہ حسنِ بیاں کا وقت نہیں !

اسلام کی تاریخ میں سب سے پہلی فتح وہ فتحِ مکہ ہے۔اس موقع پر آپ ﷺ کا مبارک عمل کیا تھا؟ کسی چراغاں کا اہتمام تھا اور نہ ہی ’’جشن‘‘ منایا گیا ‘ بل کہ فاتحِ اعظم ﷺ ‘ اللہ کے سامنے تواضع ‘ عاجزی اور مسکنت سے سر جھکائے ہوئے مکہ میں داخل ہو رہے تھے۔اس موقع پر آپ ﷺ نے اہلِ مکہ اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو نیکی ‘ تقویٰ اور باہم اخوّت کا درس دیا۔فتحِ مکہ کے بعد فتوحات کا سلسلہ بڑھتا ہی چلا گیا۔حنین ‘ طائف اور تبوک سے گزرنے والا لشکر بالآخر پوری دنیا میں پھیل گیا۔وقت کی بڑی بڑی سلطنتیں ان کے قدموں میں ڈھیر تھیں ‘ مگر ان کے یہاں ’’جشن‘‘ کا تصور ہی نہ تھا ‘ البتہ زبانیں اللہ کی حمد و ثنا سے تر ‘ آنکھوں میں تشکر کے آنسو ‘ پاکیزہ کردار میں مزید بلندی اور دلوں میں اسلام کی محبت صاف جھلکتی نظر آتی ہے۔ان کی راتیں مصلّوں پر اور دن گھوڑوں کی پیٹھ پر بسر ہوتے۔آج نوجوانانِ پاکستان کے دن رات ‘ شب و روز کہاں بسر ہوتے ہیں...؟ اور پھر بھی ہم ہر سال ’’جشن‘‘ منا کر دل کو خوش کر لیتے ہیں کہ ہم نے وطن سے محبت کا خوب ثبوت دے دیا ہے۔

یاد رکھیے ! ہماری آزادی کا سفر مکمل طے نہیں ہوا۔آدھا سفر ابھی باقی ہے۔منزل کی جستجو کے راہی ’’جشن‘‘ کے ہنگامے بپا کر کے کہیں اپنے فرضِ منصبی سے لاپرواہ نہ ہو جائیں۔حضرت مفتی رشید احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ’’آزادی‘‘ سے متعلق اپنے ایک وعظ میں کیا ہی خوب فرمایا تھا :

’’ذہن نشین کر لیجیے کہ جلسے جلوسوں اور ہنگاموں کا نام آزادی نہیں ‘ آزادی کا تعلق تو باطنی سکون سے ہے۔ حقیقی آزادی وہ ہے ‘ جس کے بعد انسان پر کسی قسم کی قید اور پابندی نہ رہے ‘ دشمن کی گرفت سے بالکل آزاد اور رہا ہو جائے ‘ دل کا سکون اور چین میسر ہو ‘ کسی قسم کی فکر اور پریشانی باقی نہ رہے۔ظاہر ہے کہ یہ کیفیت اس وقت نصیب ہو گی ‘ جب مسلمان نفس اور شیطان کی قید سے آزاد ہو کر اللہ کی نافرمانی سے باز آ جائے ‘ ہر قسم کے ظاہری و باطنی گناہوں سے اس کی زندگی پاک ہو جائے۔ایسے شخص کو دل کا سکون نصیب ہو گا اور حقیقی آزادی حاصل ہو گی۔‘‘

آیئے ! ہم بھی اپنی ملکی آزادی کا شکر اپنے کردار سے ادا کریں۔اپنے رب کے حضور سر بسجود نئے عزم سے آگے بڑھتے ہیں اور اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگیوں کو مکمل اسلامی سانچے میں ڈھالنے کی آخری حد تک کوشش شروع کر دیں۔یہی حقیقی آزادی ہے اور اسی میں ہمارے وطنِ عزیز کی بقا اور ترقی کا راز پنہاں ہے۔بقول ذکی کیفیؒ :

اسلام کی بنیاد پر یہ ملک بنا ہے
اسلام ہی اس ملک کا سامانِ بقا ہے

pg15

Burger-Shack

''سر جی! میں اچھی جاب کرنا چاہتا ہوں؟'' انٹرویو میں آئے اُمیدوار نے عبداللہ سے کہا۔

''اچھی جاب کی تشریح کرو۔'' عبداللہ نے سوال پوچھا۔

''جی! بس وہی کہ جس میں نام ملے' پیسہ ملے' کوئی ایک آدھ باہر ملک کا چکر' سالانہ بونس اور پروموشن۔ بس زیادہ کچھ نہیں۔''

''ٹھیک ہے' مگر کل مجھے آپ سے اچھا بندہ مل گیا پھر؟ کمپنی کا فائدہ اسی میں ہے کہ آپ کو نکال کے اسے رکھ لیں تو آپ کا کیا خیال ہے اس بارے میں؟''

''جی' ایسے کیسے ہوگا؟ میں ہی سب سے بہتر ہوں۔ اگر آپ کے ایسے ارادے ہیں تو پہلے سے بتا دیں' میں ابھی جس کمپنی میں ہوں' وہاں میری من چاہی ساری چیزیں مل رہی ہیں اور

بنیاد

ڈاکٹر ذیشان الحسن عثمانی

وہ بھی پچھلے چار سالوں سے۔''

''پھر بھی آپ وہ جاب چھوڑ کر یہاں آنا چاہتے ہیں؟''

''جی وہ' یہاں نام زیادہ ہوگا۔ امریکن کمپنی ہے ناں!''

''جی آپ جا سکتے ہیں۔'' عبداللہ نے امیدوار کو تو فارغ کر دیا' مگر وہ نجانے کون سی سوچوں میں گھرتا چلا گیا۔

وہ سوچنے لگا کہ دنیا کو بدل دینے کے دعوے کرنے والے' انسانیت کی خاطر سب کچھ کر گزرنے کے خواہش منداور ملک اور اُمّت کی نشاۃِ ثانیہ کے خوابوں کی تعبیر کے سپہ سالار کب اپنی ذات کے مدار سے باہر نکلیں گے اور

کب ایسے اداروں پر کام کریں گے' جن کی بنیادیں مضبوط ہوں۔

ہر شخص گنبد کا پتھر بننا چاہتا ہے' جس پر سب کی نظر پڑے۔ بنیاد کا نہیں کہ جسے کوئی نہ دیکھے۔ مگر ربّ تو سب کچھ دیکھتا ہے۔ سب کو دیکھتا ہے۔

عشق عشق کی ضد ہے۔ ایک سے کرو تو دوسرے کو چھوڑنا ہی پڑتا ہے یا چھڑوا دیا جاتا ہے۔

با مقصد زندگی گزارنے کا دعویٰ کرنے والوں کو بیلنس لائف کا رونا نہیں رونا چاہیے۔

بیلنس لائف تو وہاں ممکن ہو' جہاں معاشرے میں ہر کوئی اپنے حصّے کا کام کر رہا ہو یا کم از کم انصاف اور امن تو ہو۔

جہاں ایک ایک شخص کو پورے پورے اِداروں کا اور پوری پوری نسلوں کی آبیاری کا کام کرنا پڑے' وہاں زندگی تیاگنی ہی پڑتی ہے' وہاں بیلنس لائف ممکن نہیں۔

جب تک آدمی کو رات کی تاریکی دن کی سفیدی میں تبدیل کرنا نہ آئے' نصیبوں کی تاریکیاں دور نہیں ہوتیں۔

اور جو بنیادیں ہوتی ہیں' وہ مضبوط ہوتی ہیں' خوبصورت نہیں۔ ان کو خوبصورت بنانے کے چکر میں وقت اور انرجی برباد نہیں کرنی چاہیے۔

جس شخص کا نظریہ آپ کے نظریے سے متصادم ہو' وہ بنیاد میں آپ کا ساتھ نہیں دے سکتا' اگر چاہے بھی تو۔

بنیادوں میں اختلافِ رائے کا احترام نہیں کرنا چاہیے۔ بچھو کے بچے پر رحم کھانا آدم کے بچے کو ہلاک کروا دیتا ہے۔

اگر کوئی آپ کے مزاج و مقصد کے مطابق نہیں تو اسے شروع سے ہی الگ کر دینا چاہیے' تا کہ وہ اپنی منزل پا سکے اور آپ کی بنیادوں میں رخنہ بھی نہ پڑے۔

وہ لوگ ہی اور ہوتے ہیں' جن سے بنیادوں کا کام لیا جاتا ہے۔

خدا جب کسی کو چُن لے تو اسے جھنجوڑ کر رکھ دیتا ہے اور اُسے کوئی پروا نہیں ہوتی۔

ان بنیادوں میں پھر ایسے شخص کا خون' دولت' عزت' نام سب چلا جاتا ہے' پھر کہیں جا کر ادارے بنتے ہیں۔

جس شخص کو فیلڈ کی اِمامت دی جاتی ہو' اسے پہلے لوگوں کے پیروں تلے روند دیا جاتا ہے۔ آدمی کو چاہیے کہ سر جھکا کر کام کرتا رہے۔

دعویٰ دلیل مانگتا ہے۔ قدرت کا قانون ہے جتنا بڑا دعویٰ اُتنی ہی بڑی دلیل۔

آدمی کو چاہیے کہ اپنے آپ پر کام کرتا رہے۔ غلطی ہو بھی جائے تو بس معافی مانگ لے اور پھر جُت جائے اُسی کام میں۔

کائنات میں سب سے زیادہ تعریف پر خوش ہونے والا اللہ ہے اور سب سے جلدی معذرت قبول کرنے والا بھی وہی ہے۔

بندہ معذرت کر لے اور کوشش کرے کہ انفرادی نقائص اجتماعی بگاڑ نہ بنیں۔ جب اجتماعیت بگاڑ کا شکار ہو جائے تو افراد کی نہیں سنی جاتی۔

قدرت کبھی بھی پہلی بار میں رُسوا نہیں کرواتی۔ گناہ جب تکرار سے عادت بن جائے تو پکڑ ہوتی ہے' ورنہ پہلی بار تو قدرت خود رجوع کا انتظار کرتی ہے۔

نفس پر نگاہ رکھنی چاہیے' یہ کائنات کی واحد مخلوق ہے جو بیمار ہو تو پھلے پھولے اور صحت مند ہو تو مر جاوے۔

جو لوگ بنیادیں رکھتے ہیں وہ قربانی کے وقت آگے آگے ہوتے ہیں اور انعامات کے وقت پیچھے اور چپ چاپ اپنا کام کر کے چلے جاتے ہیں۔

دنیا کو تو سالوں اور کبھی کبھار صدیوں بعد احساس ہوتا ہے کہ وہ کیا کر گئے۔

کسی سے تعریف کی توقع نہ رکھیں۔ بڑی کم ظرفی کی بات ہے کہ کام خالق کے لیے کریں اور صلہ مخلوق سے چاہیں۔

جس ملک میں لوگ تنقید و تنقیص کا فرق نہ سمجھ پائیں' وہاں مشورہ لینا اور دینا دونوں ہی کارِ زحمت ہیں۔

حاسدوں سے نہ ڈریں۔ جو کام اللہ کے لیے ہو' وہ غاصبوں کے لیے آگ ہوتا ہے۔

بس کام کرتے رہیں اور کرتے رہیں۔ آخر میں عبدیت' دعا اور حیرت باقی رہ جائے گی۔

عشق بے چارہ تو عبدیت میں گم ہو جاتا ہے اور وہ بنیادیں جو عبدیت سے جنم لیتی ہیں اُنھیں معبود خود قائم رکھتا ہے۔

بقیہ
مسعر بن کدام رحمۃ اللہ علیہ

آپؒ نے فرمایا: ”جو شخص اپنے علم کو اپنی اصلاح کے لیے حاصل کر رہا ہے تو اس کے لیے تھوڑا سا علم بھی کافی ہے کہ علم کی تھوڑی مقدار سے بھی اس کی اصلاح ہو جائے گی اور جو دوسروں کے لیے علم حاصل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو اس کو چاہیے کہ خوب پڑھے اور علم کا ذخیرہ جمع کرے۔“ اللہ ہم سب کی اصلاح فرمائے اور ہمارے قُلوب کو قرآن و حدیث سے منور فرمائے۔ آمین! آپؒ ایک دعا مانگتے تھے: ”یا اللہ! جس نے ہمارے بارے میں اچھا گمان رکھا اور ہم نے جس کے بارے میں اچھا گمان کیا' تُو ہمارا گمان بھی سچا کر دے اور اس کا گمان بھی سچا کر دے۔“

155ھ کے رجب میں آپؒ کی وفات ہوئی۔ علّامہ ابنِ السماکؒ نے آپؒ کو خواب میں دیکھا' پوچھا: ”حضرت کون سا عمل آپ نے وہاں سب سے زیادہ نفع بخش اور فائدہ مند پایا؟“ فرمایا: ”اللہ کا ذکر“ مصعب بن مقدام کہتے ہیں: ”میں نے آپ ﷺ کی خواب میں زیارت کی' آپ ﷺ کا دستِ مبارک سفیان ثوریؒ کے ہاتھ میں تھا اور دونوں حضرات طواف کر رہے تھے (یعنی آپ ﷺ اور سفیان ثوریؒ) سفیانؒ نے آپ ﷺ سے عرض کیا: ”یا رسول اللہ! مِسعر بن کِدامؒ انتقال فرما گئے ہیں۔“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہاں! ان کی آمد پر آسمان والوں نے خوشیاں منائی ہیں۔“ اگرچہ یہ صرف خواب ہے اور اس سے کوئی شرعی حکم ثابت نہیں ہو سکتا ہے' لیکن یہ ان کے حق میں خوش خبری ضرور ہے۔ اللہ مِسعر بن کِدامؒ کو جنت میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے اور ہمیں ان کا اتباع نصیب فرمائے۔ آمین

بقیہ
فقیری میں نام پیدا کر

جس طرح غیر اور باطل قوتوں کو جلانا' شکست دینا آسان کام نہیں۔ اے میرے نوجوان! جب تک انسان کا جگر حرص اور غم کی آگ میں جلتا رہے گا' اُس وقت تک جان و روح رقص نہیں کرے گی۔ غم دل گیری کا سبب ہے اور ایمان کی کمزوری ہے۔ حدیث سن کہ غم آدھا بڑھاپا ہے۔ اے نوجوان! کیا تجھے معلوم ہے کہ غم آج کے دور کا فقر ہے۔ اے نوجوان! میں تو اُس مرد کا غلام ہوں جو خود پر قادر و قاہر ہے' جسے اپنے آپ پر قابو ہے۔ اے نوجوان! تو میری بے قرار جان کے لیے تسکین کا باعث ہے اور میری بے قرار روح کا چین ہے۔ اے میرے نوجوان! تو اگر رقصِ جاں سے اپنا نصیب حاصل کر لے تو پھر میں تجھے دینِ مصطفیٰ ﷺ کا راز بتاؤں گا اور میں ترے لیے قبر کے اندر بھی دعا کرتا رہوں گا۔

صدائے محبت

فقیری میں نام پیدا کر

پروفیسر ڈاکٹر نوید جمیل ملک

اے میرے پیارے نوجوان ! بے شک تو اگر گاؤں کا مالک ہی کیوں نہ ہو' جاگیر دار ہی کیوں نہ ہو' کیسا امیر ہی کیوں نہ ہو' تو فقر کو اپنے ہاتھ سے جانے مت دے۔ اِسے ہر گز ہر گز اپنے ہاتھ سے جانے نہ دے۔ کیوں کہ اِس فقر کا سوز تیری ذات میں سویا ہوا ہے۔ اے نوجوان فقر کی یہ شراب تیرے اسلاف اور بزرگوں کی عطا ہے۔

جس گھر کا مگر چراغ ہے تو
ہے اُس کا مزاج عاشقانہ

اے نوجوان جب تو دنیا میں رہے تو دردِ دل کے سوا کسی اور سامانِ دنیا کی خواہش نہ کر۔ اور دنیا میں اگر کوئی نعمت حاصل کرنی ہے تو اپنے رب سے مانگ' دنیا کے لوگوں سے اور شاہوں کے آگے دستِ سوال دراز نہ کر۔ اے نوجوان یاد رہے کہ حق اندیش اور حق بین لوگ بھی دنیا داری کی وجہ سے دنیا کی حاصل کردہ دولت سے اندھے ہو جاتے ہیں۔ دولت کی فراوانی دل کی نرمی لے جاتی ہے۔ دولت کی فراوانی دل میں فخر و غرور پیدا کرتی ہے اور عجز و انکساری جاتی رہتی ہے۔ اے نوجوان میں دنیا میں بہت پھرا ہوں اور میں نے دولت مندوں کی آنکھوں میں نمی بہت کم دیکھی ہے۔ میں اُس انسان کے قربان جاؤں جو درویشانہ زندگی بسر کرتا ہے اور مجھے افسوس ہے اُس انسان پر جو خدا سے بیگانہ ہو کر' اُس سے غافل ہو کر زندگی گزارتا ہے۔

اے میرے نوجوان ! اِن حالات میں تو کسی ہم نشینِ حق' کسی اللہ والے کو تلاش کر اور اُس کی صحبت اختیار کر۔ اے میرے پیارے نوجوان ! یاد رکھ کہ گِدھوں کا دستور اور طریقہ و رسم اور ہے جب کہ شاہین کی پرواز کی شان و شوکت کچھ اور ہے۔

پرواز ہے دونوں کی اِسی ایک جہاں میں
کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

اے نوجوان ! مردِ حق آسمان سے بجلی کی طرح جھپٹتا ہے۔ اُس کی پرواز کا ایندھن مشرق و مغرب کے شہر و بیابان ہیں۔ اِس مردِ حق کے مقابلے میں ہم ابھی تک کائنات کے اندھیروں میں پڑے ہوئے ہیں' جب کہ وہ مردِ حق کائنات کے انتظام میں شریک ہے۔ کیوں کہ

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ

وہ مردِ حق کبھی کلیم اللہ (موسیٰؑ) ہے' کبھی مسیحا (عیسیٰؑ) ہے۔ کبھی خلیل اللہ (ابراہیمؑ) ہے اور کبھی محمد ﷺ ہے۔ انبیا مردانِ حق کی بہترین مثال ہیں۔ اِن کی حتمی کتاب قرآن مجید ہے اور اُس کو لانے والے جبرئیلؑ ہیں۔ یہ مردانِ حق اہلِ دل کی کائنات کا سورج ہیں۔ اِن ہی کی شعاعوں سے اہلِ دل کی حیات ہے۔ اے نوجوان ! یہ مردِ حق پہلے تجھے اپنی آگ میں جلاتا ہے پھر تجھے بادشاہی کرنا سکھاتا ہے۔ ہم سب اِسی مردِ حق کے سوز سے صاحبِ دل بنتے ہیں۔ اگر یہ مردانِ حق نہ ہوتے تو ہم صرف آب و گِل (یعنی مادے) کے باطل نقوش ہیں اور بس۔ اے نوجوان' میں اِس زمانے سے' جس میں تو پیدا ہوا ہے ڈرتا ہوں کیوں کہ یہ زمانہ بدن یعنی مادیت میں غرق ہے اور روح سے بے خبر اور ناآشنا ہے۔ یاد رکھ کہ جب بدن' روح کے قحط کے باعث سستا ہو جاتا ہے تو مردِ حق خود میں چھپ جاتا ہے (کنارہ اختیار کر لیتا ہے) اور پھر تلاش و جستجو بھی اِس مردِ حق کو (جو سامنے موجود ہوتا ہے) تلاش نہیں کر پاتی' اگرچہ روح سے ناآشنا بدن اُسے دیکھ ہی کیوں نہ رہا ہو۔ پھر بھی اے نوجوان ! تو اُس مردِ حق کی طلب کا ذوق ہاتھ سے جانے نہ دے' اگرچہ تیری اِس طلب کی راہ میں سینکڑوں الجھنیں اور مشکلیں ہی کیوں نہ آئیں۔ اے نوجوان ! اگر تجھے ایسے مردِ حق کی صحبت میّسر نہ آئے تو پھر جو کچھ میں نے اپنے آبا و اجداد سے حاصل کیا ہے وہ تو لے لے۔ تو میرے روحانی پیر' پیرِ رومی کو اپنا ساتھی بنا لے تاکہ اللہ تجھے سوز و گداز عطا فرمائے۔ یہ اِس لئے کہ رومی مغز کو چھلکے سے پہچانتے ہیں اور اُن کا پاؤں اپنے دوست (محبوبِ حقیقی) کے کوچے میں مضبوطی سے پڑتا ہے اور خوب جمتا ہے۔ اے نوجوان ! سُن لے کہ لوگوں نے رومی کی مثنوی و معنوی کی شرح تو کی ہے مگر اُس کو سمجھا نہیں' رومی کو پہچانا نہیں۔ مثنوی کے اصل معنی ہم سے ہرن کی طرح بھگاتے ہیں یعنی اِس مثنوی کے اسرار و رموز کو کوئی نہ پا سکا۔ لوگوں نے رومی سے صرف رقصِ بدن سیکھا اور روح کے رقص (رقصِ جاں) سے آنکھیں بند کر لیں۔ اے نوجوان ! یاد رکھ ! جسم کا رقص مٹی کو گردش میں لاتا ہے یعنی اُسے اُڑاتا ہے جبکہ جاں کا رقص' روح کا رقص افلاک کو تہ و بالا کر دیتا ہے۔ جان کے رقص سے علم و حکمت میّسر آتے ہیں اور یہ زمین بھی اور آسمان بھی ہاتھ آتے ہیں۔ رقصِ جاں سے فرد' حضرت موسیٰؑ' کلیم اللہ کے سے جذبات کا مالک بن جاتا ہے اور ملت اِس رقص سے مِلکِ عظیم کی وارث بنتی ہے۔ ہاں روح کا رقص (رقصِ جاں) سیکھنا ایک مشکل کام ہے' بالکل اُسی طرح جس طرح غیر اور باطل قوتوں کو جلانا' شکست دینا آسان کام نہیں۔ اے میرے نوجوان ! جب تک انسان کا جگر حرص اور غم کی آگ میں جلتا رہے گا' اُس وقت تک جان و روح رقص نہیں کرے گی۔ غم دل گیری کا سبب ہے اور ایمان کی کمزوری ہے۔ حدیث سن کہ غم آدھا بڑھاپا ہے۔ اے نوجوان ! کیا تجھے معلوم ہے کہ غم آج کے دور کا فقر ہے۔ اے نوجوان ! میں تو اُس مرد کا غلام ہوں جو خود پر قادر و قاہر ہے' جسے اپنے آپ پر قابو ہے۔ اے نوجوان ! تو میری بے قرار جان کے لیے تسکین کا باعث ہے اور میری بے قرار روح کا چین ہے۔ اے میرے نوجوان ! تو اگر رقصِ جاں سے اپنا نصیب حاصل کر لے تو پھر میں تجھے دینِ مصطفیٰ ﷺ کا راز بتاؤں گا اور میں ترے لیے قبر کے اندر بھی دعا کرتا رہوں گا۔ (بقیہ ص 17 پر)

pg19

Zuyufur rehman

مسائل
پوچھیں اور سیکھیں

مفتی محمد توحید

طلاق کب اور کیسے دی جائے؟

سوال: شریعت نے ازدواجی زندگی کے لیے نکاح کو مشروع فرمایا اور نباہ نہ ہونے کی صورت میں طلاق کی اجازت دی ہے، لیکن یہ بھی فرمایا کہ ناپسندیدہ ترین فعل طلاق ہے۔ معلوم ہوا کہ ہر معمولی اور چھوٹی موٹی بات پر طلاق دینے کی اجازت نہیں ہے۔ مشاہدات بتاتے ہیں کہ عموماً قصور جانبین (میاں بیوی) دونوں کا ہوتا ہے، جبکہ شریعت میں صلح بھی مطلوب ہے۔

بدقسمتی سے ہمارے اس زوال پذیر معاشرے میں طلاق کے بڑھتے ہوئے رجحان کے پیشِ نظر خیال آیا کہ اس بات کی معلومات حاصل کی جائیں کہ وہ کیا اُمور ہیں اور ان کی کیا ترتیب ہے کہ جنہیں اختیار کرنے سے طلاق کی نوبت بھی نہ آئے اور میاں بیوی کی اصلاح بھی ہو جائے؟ اور اگر اس میں کامیابی حاصل نہ ہو تو پھر طلاق کس وقت، کن الفاظ سے، کس طریقے سے اور کس ترتیب سے دی جائے؟ قرآن وسنت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں!

جواب: واضح رہے کہ رشتۂ ازدواج توڑنے کے لیے نہیں، بل کہ ہمیشہ قائم رکھنے کے لیے کیا جاتا ہے۔ شریعت نے رشتۂ ازدواج کو پائیدار رکھنے کے لیے متعدد اقدامات تجویز فرمائے ہیں:

اوّل: زوجین ایک دوسرے کے حقوق ٹھیک ٹھیک ادا کریں اور ایک دوسرے کے ساتھ ناانصافی کا برتاؤ نہ کریں اور اگر کبھی ایک دوسرے کی جانب سے ناگوار بات پیش آجائے تو درگزر کرنے سے کام لینا چاہیے۔ الغرض دونوں اس کی کوشش کریں کہ مقدس رشتۂ ازدواج اُلفت و محبت کا آئینہ دار ہو اور بے زاری کے جراثیم سے پاک رہے۔

دوم: اگر خدانخواستہ کبھی دونوں کے درمیان رنجش پیدا ہو جائے تو اس کو طول دینے کی کوشش نہ کریں، بل کہ دونوں صبر و تحمل اور اُلفت و رواداری کی فضا میں اس ''دوستانہ رنجش'' کو دور کر کے دل صاف کرلیں اور حسن وتدبر کے ساتھ آپس کا معاملہ خود نمٹالیں کہ تیسرے شخص کی مداخلت کی ضرورت پیش نہ آئے، خصوصاً مرد جسے گھر کا سربراہ مقرر کیا گیا ہے، اس پر خصوصی پابندی عائد کی گئی ہے کہ وہ خود بھی مردانہ عقل اور دوراندیشی سے کام لے اور اگر عورت کے مزاج میں کجی پائی جاتی ہو تو حلم و وقار کے ساتھ اس کی اصلاح کی مناسب تدابیر کرے۔

سوم: اگر خدانخواستہ معاملہ دونوں کے قابو سے باہر ہوتا نظر آئے تو دونوں خاندانوں کے داناؤں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ دونوں کے درمیان جوڑ پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ اس کی صورت یہ تجویز فرمائی گئی ہے کہ ایک دانش مند بزرگ مرد کے خاندان سے کیا جائے اور ایک دانش مند بزرگ عورت کے خاندان سے، وہ دونوں مل کر دونوں کی شکایتیں سنیں اور ان کے ازالے کی کوشش کریں۔ میاں بیوی کے درمیان پیدا شدہ غلط فہمیوں کو دور کریں اور اگر کوئی فریق واقعتاً زیادتی کر رہا ہے تو اس کو مناسب فہمائش کریں اور اس سلسلے میں کسی فریق کی طرف داری وجانب داری نہ کریں، بل کہ حمایت اور مخالفت سے بالاتر ہو کر دونوں کی اصلاح کی کوشش کریں۔

اگر ان نکات پر ان کی حقیقی روح کے مطابق عمل کیا جائے تو ان شاء اللہ طلاق کی نوبت نہ آئے گی اور اگر ان تمام تدابیر کے باوجود میاں بیوی کے درمیان موافقت نہ ہو سکے تو آخری حیلہ طلاق ہے اور اس سلسلے میں یہ حکم دیا گیا کہ:

1. طلاق حالتِ حیض میں نہ دی جائے، بل کہ جب عورت ایام سے پاک ہو جائے تب، اگر طلاق دینا منظور ہو تو وظیفۂ زوجیت ادا کیے بغیر طلاق دی جائے۔
2. طلاق بھی صرف ایک دی جائے، تین طلاقیں بیک وقت نہ دی جائیں۔
3. اس ایک طلاق کے بعد عورت عدت گزارے گی اور عدت تین حیض ہیں۔
4. عدت کے ختم ہونے تک دونوں کا نکاح باقی رہے گا، اب بھی دونوں کے درمیان مصالحت کی گنجائش ہو گی۔ دونوں طلاق اور جدائی کے انجام اور بچوں کے مستقبل کے بارے میں غور کر سکیں گے اور اگر دونوں کو عقل آگئی تو مرد عدت ختم ہونے تک بیوی کو واپس لے سکتا ہے، دوبارہ نکاح کی ضرورت نہیں۔
5. اور اگر ایک طلاق کے بعد بھی نباہ نہ ہو سکا اور مرد نے رجوع نہیں کیا تو عدت

(تیسرا حیض) ختم ہونے کے بعد نکاح از خود ختم ہوجائے گا اور دونوں کے درمیان جدائی ہوجائے گی، لیکن چوں کہ یہ جدائی ایک طلاق سے ہوئی ہے، اس لیے اگر اب بھی ان کا جی چاہے تو دوبارہ نکاح کرسکتے ہیں، یہی حکم دو طلاقوں کا ہے کہ دو طلاق کے بعد رجوع کی گنجائش ہے، بشرطیکہ ایک یا دو طلاقیں بائنہ نہ دی ہوں۔

6 اگر کسی شخص نے اللہ تعالیٰ کی قائم کی ہوئی حدود کو توڑتے ہوئے بیک وقت تین طلاقیں دے دیں تو تینوں واقع ہوجائیں گی، عورت حرمتِ مغلظہ کے ساتھ حرام ہوجائے گی اور اب بغیر شرعی حلالہ کے دوبارہ ان کا نکاح نہیں ہوسکے گا اور یہ شخص حکمِ الٰہی کی خلاف ورزی کرنے کی وجہ سے گناہ گار ہوگا۔

7 اسی طرح اگر کسی شخص نے حیض کی حالت میں طلاق دے دی یا حیض کے بعد وظیفۂ زوجیت ادا کرنے کے بعد طلاق دے دی تو یہ شخص گناہ گار ہوگا اور جیسی طلاق دی، واقع ہوجائے گی: اگر ایک طلاق دی ہو تو ایک واقع ہوگی اور اس کو طلاق سے رجوع کرنے کا حکم دیا جائے گا اور اگر حیض کی حالت میں تین طلاقیں دی ہوں تو واقع ہوجائیں گی، اب شوہر کے لیے رجوع کی گنجائش نہ ہوگی اور نہ بغیر حلالہ شرعی کے دونوں دوبارہ نکاح کرسکیں گے۔

کیا تین طلاق کے بعد دوسرے شوہر سے شادی کرنا ظلم ہے؟

سوال: ایک شخص بدکار، نشہ کرنے والا اور دیگر عیوب میں غرق ہے اور اپنی بیوی کو جو نہایت پارسا، دین دار اور نیک ہے، تین طلاقیں دیتا ہے۔ بعد میں یہی شخص تائب ہوتا ہے اور چاہتا ہے کہ اپنی بیوی سے شادی کرلے، لیکن طلاق کے بعد جب تک وہ عورت کسی دوسرے شخص کے نکاح میں نہ جائے وہ اپنے شوہر سے نکاح نہیں کرسکتی، مگر عورت کا عذر یہ ہے کہ غلطی خاوند کی تھی اور وہ اپنے پہلے شوہر کے علاوہ کسی دوسرے شخص سے نکاح اور نکاح کے بعد مباشرت کا تصور بھی نہیں کرسکتی۔ وہ کہتی ہے کہ اسلام میں بے گناہ پر کبھی ظلم نہیں جاری ہوسکتا ہے اور عورت کی غلطی نہیں ہے، لہٰذا اس کو کسی دوسرے آدمی سے نکاح پر مجبور نہیں کیا جاسکتا اور وہ اپنے شوہر ہی سے نکاح چاہتی ہے۔

اسلام کی رُو سے انھیں مسئلے کا حل بتائیں! کیا عورت پر پہلے ظلم کے بعد اس کی مرضی کے خلاف دوسرا نکاح لازم ہے؟ حالات کے پیشِ نظر عورت کا یہ کہنا کہ میرے اوپر ہی ظلم کیوں ہے اور کس قانون کی بنا پر؟ اور کیا قانون تبدیل نہیں ہوسکتا ہے؟

جواب: یہاں چند باتیں سمجھ لینا ضروری ہیں:

اول: یہ کہ تین طلاق کے بعد عورت طلاق دینے والے پر قطعی حرام ہوجاتی ہے، جب تک وہ دوسری جگہ نکاح شرعی کرکے اپنے دوسرے شوہر سے وظیفۂ زوجیت ادا نہ کرے اور وہ اپنی خوشی سے طلاق نہ دے اور اس کی عدّت گزر نہ جائے، یہ عورت پہلے شوہر کے لیے حلال نہیں ہوگی، نہ اس شرط کے بغیر ان دونوں کا دوبارہ نکاح ہوسکتا ہے۔ یہ قرآن کریم کا قطعی اور دوٹوک فیصلہ ہے جس میں نہ کوئی استثنا رکھا گیا ہے اور نہ اس میں کسی ترمیم کی گنجائش ہے۔

دوم: قرآن کریم کا فیصلہ عورت کو سزا نہیں، بل کہ اس مظلومہ کی حمایت میں اس کے طلاق دینے والے ظالم شوہر کو سزا ہے۔ گویا اس قانون کے ذریعہ اس شوہر کو خداتعالیٰ کی طرف سے سرزنش کی گئی ہے کہ اب تم اس شریف زادی کو اپنے گھر آباد کرنے کے اہل نہیں رہے ہو، بل کہ اب ہم اس کا عقد قانوناً دوسری جگہ کرائیں گے اور تمہیں اس شریف زادی کو دوبارہ قیدِ نکاح میں لانے سے بھی محروم کردیا گیا ہے، تاکہ تمہیں عقل آجائے کہ کسی شریف خاتون کو تین طلاق دینے کا انجام کیا ہوتا ہے۔

سوم: خالقِ فطرت کا ارشاد فرمودہ یہ قانون سراسر مظلوم عورت کی حمایت میں ہے، لیکن حیرت اس عورت پر ہے کہ وہ ظالم کے ساتھ تو پیوند جوڑنا چاہتی ہے، مگر خالقِ کائنات، جو خود اس کی بھلائی کے لیے قانون وضع کررہا ہے، اس کے قانون کو اپنے اوپر ظلم تصور کرتی ہے اور پھر حیرت کی بات یہ ہے کہ ایک ایسا شخص جو شرابی ہے، ظالم ہے اور جس پر وہ ہمیشہ کے لیے حرام ہوگئی ہے، اس سے تو اللہ تعالیٰ کے قانون کو توڑ کر نکاح کرنے کی خواہش مند ہے اور اسے کسی نیک، پارسا اور شریف النفس مسلمان کے ساتھ نکاح کرنے کا جو مشورہ دیا جارہا ہے، اسے اپنے حق میں ظلم تصور کرتی ہے!!!

یہ سزا عورت کو نہیں، بل کہ اس ظالم مرد کو دی گئی ہے جسے عورت اپنی حماقت سے اپنے حق میں ظلم تصور کرتی ہے۔ وہ اس ظالم سے دوبارہ نکاح کرنے پر کیوں بضد ہے؟ اسے چاہیے کہ کسی اور جگہ اپنا عقد کرکے شریفانہ زندگی بسر کرے اور اس ظالم کو عمر بھر منہ نہ لگائے۔

چہارم: یہاں یہ سمجھ لینا بھی ضروری ہے کہ جس طرح زہر کھانے کا اثر موت ہے، زہر دینے والا ظالم ہے، مگر جب اس نے مہلک زہر دے دیا تو مظلوم کو موت کا منہ بہرحال دیکھنا ہوگا۔ اسی طرح تین طلاق کے زہر کا اثر حرمتِ مغلّظہ ہے۔ اب یہ خاتون اگر چاہے تو دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے، اس کو دوسری جگہ نکاح کرنے پر کوئی مجبور نہیں کرتا، لیکن پہلے شوہر کے لیے وہ بہرحال حلال نہیں رہی۔ اگر وہ پہلے شوہر کے پاس جانا چاہتی ہے تو یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک دوسری جگہ عقد اور خانہ آبادی نہ ہو۔ پس جس طرح موت نتیجہ ہے زہر خوری کا، اسی طرح یہ حرمتِ مغلّظہ نتیجہ ہے تین طلاق کا۔ اگر یہ ظلم ہے تو یہ ظلم بھی تین طلاق دینے والے ہی کی طرف سے ہوا ہے کسی اور کی طرف سے نہیں۔

pg22
Zaiby Jew

ٹماٹر
ایک صحت افروز ترکاری

حکیم شمیم احمد

ٹماٹر کو عربی میں طماطم اور انگریزی میں Tomato کہتے ہیں۔اس کا نباتاتی نام LycopersicumEsculentum ہے۔

ٹماٹر کی اہمیت

ٹماٹر کا شمار ان چند سبزیوں میں کیا جاتا ہے جو پوری دنیا میں اہمیت کی حامل ہیں۔اس کا پھل استعمال کیا جاتا ہے۔اس کا پودا دو فٹ تک اونچا' شاخیں چاروں طرف زمین تک پھیلی ہوئی' تنا مضبوط روئیں دار جبکہ پتے بیضوی شکل کے ہوتے ہیں۔اس پودے کی جڑیں چپٹی 'گہری اور ریشے دار ہوتی ہیں۔ پھل بیضوی یا گول اور گداز معلوم ہوتا ہے۔اس کا رنگ سرخ' بیج چپٹا اور قدرِ خم دار اور تعداد میں زیادہ ہوتا ہے۔

ٹماٹر کی کاشت

ٹماٹر دیگر سبزیوں اور پھلوں کی مانند ایک مفید غذا ہے۔اس کی دریافت کے بعد ٹماٹر پوری دنیا میں جنگل کی آگ کے مانند پھیل گیا۔آج کل ٹماٹر کی زیادہ کاشت فلپائن' جنوبی امریکہ 'ملائشیا' مغربی افریقہ اور انڈونیشیا کے علاوہ جزائر غرب الہند کے ملکوں میں کی جاتی ہے۔

ٹماٹر کے خواص

کیمیاوی طور پر اس میں حیاتین الف' ب' ج کثیر مقدار میں موجود ہیں۔اطبّا کے نزدیک اس میں فولاد 2.4 فیصد کی مقدار میں پایا جاتا ہے۔ٹماٹر ایسی سبزی ہے جس میں تین طرح کی ترشیاں پائی جاتی ہیں' جب کہ دیگر سبزیوں میں ایک یا دو ترشیاں اکھٹی پائی جاتی ہیں۔ٹماٹر میں پائی جانے والی پہلی ترشی MalicAcid کہلاتی ہے' جو زیادہ ترسیب میں پائی جاتی ہے۔دوسری ترشی کو CiticAcid کہتے ہیں۔یہ ترشی لیموں' سنتگرہ اور نارنگی وغیرہ میں پائی جاتی ہیں' جب کہ تیسری ترشی فاسفورک ایسڈ ہے۔ان تینوں ترشیوں کا کام الگ الگ ہے۔پہلی ترشی سیب کو کھٹا بناتی ہے' دوسری ترشی جراثیم کش اور پیشاب آور ہے۔یہ بیری بیری (BeriBeri) مرض میں فائدہ پہنچاتی ہے' جب کہ تیسری ناڑی کے درد اور دیگر بیماریوں کے علاوہ کئی امراض میں کام آتی ہے۔ تقریباً سب ترکاریوں کی تازگی ان کے درخت یا بیل پر سے اتر جانے کے بعد کم ہونے لگتی ہے۔لیکن ٹماٹر کی تازگی پودے کی ڈالی پر سے توڑ لیے جانے کے بعد بھی دیر تک قائم رہتی ہے۔یعنی اس کا قدرتی ذائقہ بہت دیر تک باقی رہتا ہے۔

ٹماٹر اور ہمارے دانت

ٹماٹر میں میگنیشیم بھی عام غذائوں سے زیادہ ہوتا ہے۔یہ جسم کی ہڈیوں اور دانتوں کو مضبوط اور سخت بنا دیتا ہے۔کیلشیم سے ہمارے جسم کی ہڈیاں بنتی ہیں' یہ ان میں مضبوطی پیدا کرتا ہے۔دانتوں میں جسم کی دوسری ہڈیوں کے مقابلے میں نصف فیصد میگنیشیم زیادہ ہوتا ہے اور یہ اتنی کم مقدار کی زیادتی ہی دانتوں کو اتنا مضبوط اور سخت بناتی ہے کہ ان سے سخت سے سخت غذا چبانے پر بھی وہ نہیں گھستے۔

روزانہ ایک ٹماٹر کھائیں اور ڈاکٹر سے جان چھڑائیں

مغربی ڈاکٹروں کا قول ہے کہ ایک سیب روزانہ کھانے سے ڈاکٹر کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ ممکن ہے یہ بیان صحیح ہو لیکن سیب قیمتی پھل ہے اور غریب آدمی روزانہ نہیں کھا سکتے' اس کے مقابلہ پر ٹماٹر نہایت ارزاں ہے۔ اگر روزانہ ایک ٹماٹر کھا لیا جائے تو ڈاکٹر کے ناز اٹھانے کی ضرورت نہیں پڑتی اور عوام کو وہی فائدہ حاصل ہوگا جو وہ مغربی ڈاکٹروں کے قول کے مطابق سیب سے حاصل کر سکتے ہیں۔

ہمارے بچے اور ٹماٹر

ٹماٹر میں وٹامن سی بھی بہت ہوتا ہے۔ جسم میں وٹامن سی کی کمی ہو جانے سے جا بجا سوجن ہو جاتی ہے' جسم کے جوڑ کمزور پڑ جاتے ہیں' جسم نہیں بڑھتا آدمی پست قد رہتا ہے' دانت اور مسوڑھے کمزور ہو جاتے ہیں۔ ٹماٹر میں وٹامن اے' بی' سی اور کم مقدار میں سورج سے ملنے والے وٹامن ڈی بھی ہوتے ہیں۔ ٹماٹر کے ان فائدوں کی وجہ سے ہی سب لوگ کہتے ہیں کہ بچوں کو جتنے بھی ٹماٹر کھلا دیے جائیں' اتنے ہی کم ہیں۔

ٹماٹر کے چند اہم فائدے

- ٹماٹر کو آنتوں تک پہنچنے میں ایک گھنٹہ سے زیادہ نہیں لگتا' جنہیں بدہضمی کی شکایت ہو انھیں ٹماٹر کا رس پینا چاہیے۔
- جگر کے فعل کو ٹھیک کرنے کے لیے ٹماٹر مفید ہے' کیوں کہ اس میں کیلومل پایا جاتا ہے جو جگر کو درست کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔
- جسم سے فاسد مادے کو دور کرنے اور صاف کرنے کے لیے یہ نہایت موثر دوا ہے۔ ٹماٹر میں الکلی کی مقدار کثرت سے پائی جاتی ہے' اس لیے تیزابیت کو دور کرنے کے لیے یہ ایک عجیب دوا ہے۔
- ان بچوں کو جنہیں بوتل کا دودھ پلایا جاتا ہے۔ ٹماٹر کا عرق دینا چاہیے' جو ایک اونس کافی ہے' اس سے بچہ تندرست رہتا ہے۔ یہ سنگترہ کی نسبت ارزاں ہے اور اتنا ہی مفید ہے ۔
- اگر صبح نہار منہ ایک کچا ٹماٹر روزانہ کھا لیا جائے تو اس سے بدن میں طاقت آجاتی ہے' پیٹ خوب صاف ہو جاتا ہے اور قبض کی شکایت پیدا نہیں ہوتی اور چند ہی روز استعمال کرنے سے ٹماٹر کے فوائد کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔

امراضِ قلب، سرطان اور ٹماٹر

برطانیہ میں غذا سے متعلق حال ہی میں جو جائزے منظرِ عام پر آئے ہیں ان سے پتا چلتا ہے کہ اس ملک میں گزشتہ دس سال کے دوران ٹماٹر کے استعمال میں پچاس فیصد اضافہ ہوا ہے۔ وہاں وہ اطالوی کھانے بھی بہت مقبول ہو رہے ہیں جن میں ٹماٹر خوب استعمال ہوتے ہیں۔ ان جائزوں سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ برطانوی باشندوں کے خون میں لائکوپین (Lycopene) کی سطح کافی بڑھ گئی ہے۔ لائکوپین ٹماٹر کا ایسا جز ہے جسے سائنسدان ایک نعمت قرار دیتے ہیں۔ ایک تحقیق کے مطابق لائکوپین نامی مانع تکسید رنگ جو ٹماٹر کو سرخ بناتا ہے' امراض قلب اور سرطان کے خطرات کو کم کرتا ہے۔ تجربات سے یہ بھی بات ثابت ہوئی ہے کہ جن لوگوں نے ہفتے میں دو مرتبہ سے زیادہ ٹماٹر سے بنی ہوئی چیزیں کھائیں ان میں غدۂ مثانہ کے سرطان کا خطرہ ان لوگوں کے مقابلہ میں چونتیس فیصد کم ہو گیا جنہوں نے ٹماٹر والے کھانے بالکل ہی نہیں کھائے۔ لائکوپین دوسری چیزوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ مثلاً تربوز' چکوترا اور خوبانی' لیکن زیادہ تر لوگ انھیں بہت ہی کم کھاتے ہیں' جب کہ ہمارے جسم کو پہنچنے والی پچاسی فیصد لائکوپین ٹماٹر سے حاصل ہوتی ہے۔

ٹماٹر کھائیے اور جلد شاداب بنائیے

جِلد کی بیرونی حفاظت کے لیے ٹماٹر بھی اہم کردار ادا کرتا ہے۔ جِلد کی حفاظت میں ٹماٹر اپنی ٹھنڈک اور سکیڑنے والی خوبیوں کی وجہ سے بہت اہم تصور کیا جاتا ہے۔ دراصل ٹماٹر وٹامن سی سے بھرپور ہوتا ہے' جو کیل مہاسوں کے علاوہ بے رونق جِلد کو چمکدار اور پُرکشش بناتی ہے۔ ہماری جِلد کو صحت مند اور شاداب رہنے کے لیے وٹامن اے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ٹماٹر میں یہ حیاتین بھی وافر مقدار میں پائی جاتی ہے۔

ٹماٹر سے فیشل کے تین طریقے

- ٹماٹر اور دہی کا ماسک بھی چہرے کی جِلد کو تازگی عطا کرنے کا اہم ذریعہ ہے۔ دہی میں شامل لحمیہ ٹماٹر کے ساتھ مل کر بہترین ماسک تیار کرنے میں معاون و مددگار ثابت ہوتا ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ آدھا ٹماٹر کاٹ کے اس کا گودا دو چمچ دہی میں اچھی طرح ملا لیں' اب یہ آمیزہ چہرے پر بیس منٹ تک لگائے رکھیں پھر نیم گرم پانی سے چہرہ دھو لیں اور خوشگوار اثرات اپنے چہرے پر دیکھیں۔
- تازہ سرخ ٹماٹر کا رس ایک چمچہ لیں اور اس میں دو سے چار قطرے تازہ لیموں کا رس شامل کر لیں' پھر اس آمیزے کو روئی کی مدد سے چہرے پر لگائیں۔ آپ کی جِلد شاداب ہو جائے گی۔
- ٹماٹر چہرے کی جِلد پر اپنی قدرتی جادوگری دکھاتا ہے' چاہے وہ ماسک کی شکل میں لگایا جائے' فیشل کے طور پر یا پھر ایسٹرن جینٹ کے طور پر استعمال کیا جائے۔ ٹماٹر کا گودا بہت کار آمد ہے۔ صرف گودا ہی اگر ایک گھنٹے روزانہ چہرے پر لگا کر گرم پانی سے دھو لیا جائے تو چہرے کا رنگ نکھر آتا ہے۔ ٹماٹر صحت کے ساتھ ساتھ حسن کا محافظ بھی ہے۔

pg25

Perfect

ہم بھی منہ میں زبان رکھتے ہیں

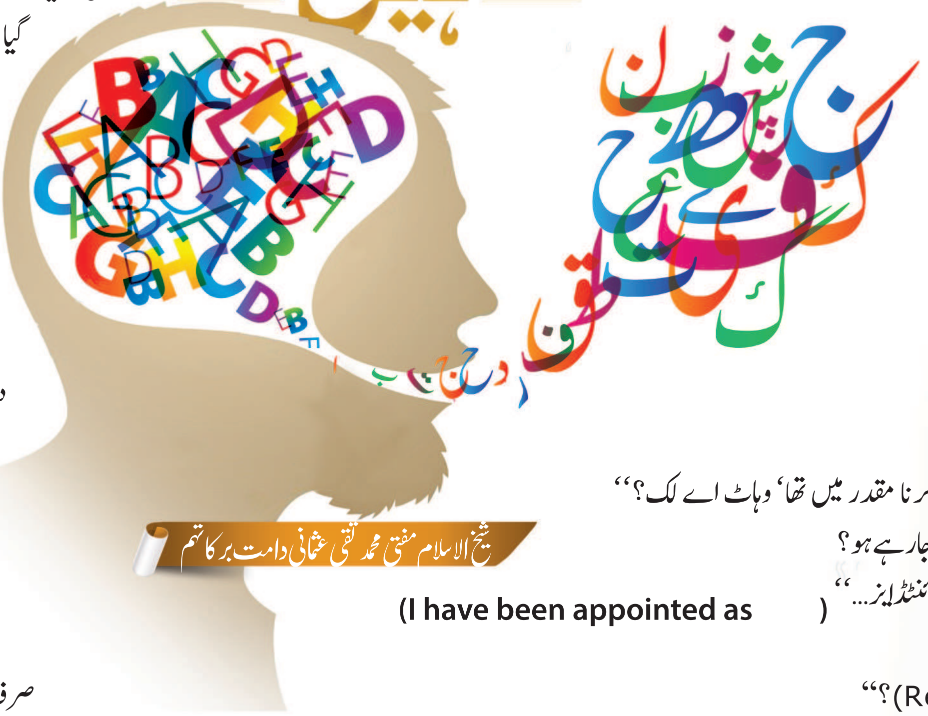

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم

ہماری روز مرہ کی بول چال میں انگریزی الفاظ‘ بلکہ پورے پورے جملوں کا استعمال جس تیز رفتاری سے بڑھ رہا ہے‘ وہ ایک ایسا لمحہ فکریہ بن چکا ہے‘ اگر اس پر ابھی سے توجہ نہ دی گئی تو ہماری زبان‘ اور اس کے پس منظر میں ہماری ثقافت اور ہمارے دینی‘ علمی اور ادبی سرمائے کا نہ جانے کیا حشر بنے گا؟ ابھی کچھ عرصے پہلے کی بات ہے‘ اسلام آباد کے ایک سفر کے دوران جہاز میں میری سیٹ کے قریب دو اعلیٰ سرکاری افسران کے درمیان جو بات چیت ہوئی وہ کچھ اس قسم کی تھی :

”اوہو مسٹر... السلام علیکم‘ وہاٹ اے پلیز نٹ سرپرائز! کیا حال چال ہیں؟ ہاؤ آر یو؟‘ فائن تھینکس! دیکھو‘ قسمت اس کو کہتے ہیں‘ مجھے کل اسلام آباد جانا تھا‘ بٹ آئی ہیڈ ٹو کینسل مائی سیٹ فاسم ریزنس۔ آج تمہاری کمپنی انجوائے کرنا مقدر میں تھا‘ وہاٹ اے لک؟“

اسلام آباد کیسے جا رہے ہو؟

”آئی ہیو بین اپائنٹڈ ایز...“ (I have been appointed as)

”ریلی (Really)؟“

”یس یس بس اللہ کی مہربانی ہے۔“

”کانگریچو لیشنز! یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے“

”سو کائنڈ آف یو‘ لیکن نیا نیا معاملہ ہے‘ اس لیے کچھ فکر بھی ہے“

”ڈونٹ وری اباؤٹ دیٹ‘ ماشاء اللہ تم بڑے انٹیلی جینٹ آدمی ہو‘ اینڈ آئی تھنک کہ تمہارا سلیکشن بہت مناسب ہے‘ اٹ از گوئنگ ٹو بی آل رائٹ“

یہ اس گفتگو کے چند جملے تھے‘ پھر سارے راستے اسی اسلوب میں گفتگو جاری رہی جس میں کم از کم پچھتّر فی صد الفاظ انگریزی کے تھے‘ اور پچیس فیصد اردو کے‘ ان صاحبان کی گفتگو کا حوالہ بہ طور نمونہ دیا‘ ورنہ ہمارے نو تعلیم یافتہ حلقے میں اب اکثر بات چیت اسی انداز کی ہوتی ہے‘ پہلے اصل گفتگو اردو یا کسی اور مقامی زبان میں ہوتی تھی اور بیچ بیچ میں انگریزی الفاظ یا فقرے آ جایا کرتے تھے‘ اب معاملہ الٹ ہو گیا ہے۔ بلکہ ایسا بھی بکثرت ہوتا ہے کہ ایک ہی فقرے کا کچھ حصہ انگریزی میں اور کچھ حصہ اپنی زبان میں ہوتا ہے‘ چوں کہ یہ اب ایک فیشن بن گیا ہے‘ اس لیے جو لوگ اپنی تعلیم‘ عہدہ یا منصب کے لحاظ سے اس مقام پر نہیں ہیں۔ وہ بھی اپنی بساط کی حد تک انگریزی کے استعمال کی باقاعدہ کوشش کرتے ہیں اور جو جتنے انگریزی الفاظ بول سکتا ہے‘ کسر نہیں چھوڑتا‘ یہاں تک کہ غلط اور بے محل الفاظ بولنے سے بھی گریز نہیں کیا جاتا۔

انگریزی بلاشبہ دنیا کے مختلف باشندوں کے درمیان رابطے کا واحد مشترک ذریعہ ہے‘ اس زبان کے پاس جدید علوم کا بڑا ذخیرہ بھی ہے‘ اس لیے اس کو زبان کی حیثیت سے سیکھنا آج کی دنیا میں ناگزیر جیسا ہو گیا ہے‘ اس غرض سے ہمارے یہاں انگریزی پڑھی اور پڑھائی جاتی ہے‘ تو اس میں ہرگز کوئی عیب کی بات نہیں‘ لیکن کسی زبان کو ضرورتاً سیکھنا اور بات ہے‘ اور اس زبان کا غلام بن کر اپنی زبان کو اس کے آگے ذبح کر ڈالنا دوسری چیز‘ ہمارا معاملہ یہ ہے کہ جس کام کے لیے واقعتہً انگریزی سیکھنا ضروری ہے اس میدان میں تو ہماری انگریزی دانی کا معیار روز بروز گر رہا ہے‘ انگریزی کی جو صلاحیت جو پہلے صرف میٹرک پاس لوگوں کو ہوا کرتی تھی‘ اب گریجویٹس تو کیا؟ بعض اوقات ماسٹر ڈگری رکھنے والوں میں بھی نہیں ہوتی‘ جدید درس گاہوں کے بہت سے فارغ التحصیل افراد کا حال یہ ہے کہ وہ ایک صفحہ بھی صحیح انگریزی میں لکھ نہیں سکتے‘ نہ کوئی انگزیزی کتاب پڑھ کر سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں‘ لیکن روز مرہ کی بول چال میں انگریزی کا جا و بے جا استعمال ہے کہ اس میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے‘ اور اسے معیار فضیلت سمجھا جا رہا ہے۔

نتیجہ یہ کہ ہماری دیسی زبانیں بے چارگی کا شکار ہیں‘ لوگ اپنی مادری زبان بہتر بنانے کی بجائے زیادہ سے زیادہ انگریزی الفاظ داخل کر کے اپنا علمی قد اونچا کرنے کی کوشش میں ہیں‘ اس سے انگزیزی کی صلاحیت میں تو کوئی قابل ذکر اضافہ

نہیں ہو رہا، لیکن مادری زبان سے ناواقفیت اس درجہ عام ہو گئی ہے کہ خدا کی پناہ! لوگوں کو اس بات کا احساس نہیں رہا کہ ''تشریف لانا'' کب بولا جاتا ہے؟ اور ''حاضر ہونا'' کب؟ چناں چہ اس قسم کے فقرے عام طور سے سننے میں آتے ہیں کہ ''میں آپ کے پاس تشریف لایا تھا'' اور ''آپ میرے پاس حاضر ہوئے تھے'' اسی طرح ''عرض کرنے'' اور ''فرمانے'' کے محل استعمال میں بھی اسی قسم کی الٹ پلٹ روز مرّہ کا معمول ہے۔ ''آپ نے عرض کیا تھا' اور میں نے فرمایا تھا'' جیسے جملے بعض اوقات اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگوں سے بھی سننے میں آ جاتے ہیں۔

میرے ایک اعلیٰ سرکاری افسر دوست سنا رہے تھے: میں نے ایک مرتبہ دفتر کے ایک ساتھی سے کہا کہ ''کل میں ایک تقریب میں شرکت کے لیے چلا گیا تھا'' یہ سن کر میرے ساتھی نے کہا ''تم عربی بہت بولنے لگے ہو'' میں نے کہا ''معاف کیجیے میرا مطلب تھا کہ میں ایک فنکشن اٹینڈ کرنے گیا تھا' انہوں نے فرمایا ''ہاں! اب تم نے اردو میں بات کی۔''

اندازہ کیجیے کہ جس ماحول میں ''تقریب'' اور ''شرکت'' جیسے الفاظ استعمال کرنے کو عربی بولنے سے تعبیر کیا جا رہا ہو' وہاں دوسرے علمی اور ادبی الفاظ کو خدا جانے کیا سمجھا جاتا ہو گا؟ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہماری دینی' علمی اور ادبی اور صحافتی زبان کا تقریباً دو تہائی حصہ نہ صرف عام لوگوں کے کے لیے بلکہ ان اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں کے لیے اجنبی بن چکا ہے' جن کی تربیت انگریزی کے زیر سایہ ہوئی' عہد حاضر کے مشہور مؤرخ ٹائن بی نے اپنی کتاب ''مطالعہ تہذیب'' میں لکھا تھا کہ پہلے زمانے میں کئی بادشاہوں نے اپنے مخالفوں کا ملک فتح کرنے کے بعد ان کے کتب خانے جلائے تھے (مثلاً اندلس میں عیسائیوں نے مسلمانوں کا عظیم الشان علمی خزانہ نذر آتش کیا تھا) مقصد یہ تھا کہ اس قوم کا رابطہ اپنے ماضی سے کٹ جائے' لیکن مصطفیٰ کمال اتاترک نے ترکی میں ایک ایسا آسان راستہ اختیار کیا کہ کتب خانے جلانے کی بدنامی بھی نہیں اٹھانی پڑی' اس نے ترکی قوم کا رسم الخط بدل دیا' کتب خانے جوں کے توں محفوظ' لیکن چند بوڑھوں کے سوا ان سے استفادہ کرنے والا کوئی باقی نہ رہا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے ساتھ کمال اتاترک کے راستے سے بھی زیادہ آسان راستہ اختیار کیا جا رہا ہے' ہمارے کتب خانے بھی جوں کے توں محفوظ ہیں' رسم الخط بھی وہی کا وہی ہے لیکن عربی اور فارسی تو کجا خود دار زبان کو بھی ہمارے لیے ایسا اجنبی بنایا جا رہا ہے کہ اس کے علمی اور ادبی الفاظ ہمارے لیے اچنبھے بن کر رہ جائیں اور ہم اپنے دینی' علمی اور ادبی ذخیروں سے استفادے کے قابل نہ رہیں۔

اسی وجہ سے یہ عرض کر رہا ہوں کہ عام بول چال میں انگریزی کا بے تحاشا استعمال اب ہمارے لیے ایک لمحہ فکریہ بن چکا ہے' جس پر ملک و ملت کے اہل فکر کو پوری سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے' پہلے یہ استعمال صرف بول چال تک محدود تھا' لیکن اب رفتہ رفتہ ہماری تحریروں میں بھی تیزی سے داخل ہو رہا ہے' اور اب ایسی تحریروں میں اضافہ ہو رہا ہے جو انگریزی الفاظ سے بھری ہوئی ہوتی ہے۔

ہمارے اہل فکر' اہلِ دانش اور اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات کو اس صورت حال کا پوی طرح بے دار مغزی سے جائزہ لینا چاہیے' جب تک وہ خود اپنے عمل سے انگریزی کی اس غلامی سے آزادی کی کوشش نہیں کریں گے' یہ تشویش ناک رجحان بڑھتا چلا جائے گا اور ہم ایک ایسی قوم بن کر رہ جائیں گے جس کی اپنی کوئی زبان نہیں' بے شک انگریزی کے کچھ الفاظ ایسے ہیں' جنہیں اردو زبان سے اپنے مزاج کے مطابق قبول کر کے انہیں اپنے اندر سمو لیا ہے' ایسے الفاظ کے استعمال سے کوئی نقصان نہیں ہوتا' مختلف زبانوں میں الفاظ کا یہ تبادلہ ہوتا رہا ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم ان مقامات پر بھی انگریزی الفاظ اور جملے استعمال کریں' جہاں مطلب اردو یا اپنی کسی دوسری مقامی زبان میں آسانی سے ادا ہو سکتا ہو' یا وہ الفاظ استعمال کریں جو زبان میں جذب ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتے' تعلیمی اغراض کے لیے انگریزی دنیا کے بیشتر ملکوں میں پڑھائی جا رہی ہے' لیکن جو دیوانگی ہم نے اختیار کی ہے وہ شاید کہیں اور اختیار نہیں کی گئی۔ بلکہ برطانیہ کے سوا یورپ کے کسی ملک میں انگریزی نہیں بولی جاتی' وہ انگریزی جاننے کے باوجود انگریزی نہیں بولتے' بلکہ بعض مرتبہ بد اخلاقی کی حد تک غیر ملکیوں کے سامنے اپنی زبان بولے چلے جاتے ہیں' خاص طور پر فرانس میں مجھے اس کا تجربہ ہوا' اور اس کی وجہ سے خاصی پریشانی اٹھانی پڑی' انگریزی وہ بھی پڑھاتے ہیں مگر انہوں نے اسے اپنے اوپر سوار ہونے نہیں دیا۔

چوں کہ جا بجا انگریزی بولنے کی عادت پڑ چکی ہے اور انگریزی تعبیرات زبان پر چڑھ چکی ہیں' اس لیے شاید شروع شروع میں اس طریقے کو چھوڑنے میں کچھ دشواری ہو گی' لیکن یہ یاد رکھیے گا کہ اس ناعاقبت اندیشانہ طرز پر اصرار اپنی نسلوں کو مادری زبان اور اس میں موجود شان دار علمی اور ادبی سرمائے سے سراسر محروم کرنے کے مترادف ہو گا۔ زبان صرف ایک اتفاقی ذریعۂ اظہار نہیں ہے' بلکہ یہ کسی عقیدہ و فکر اور تہذیب و ثقافت کا ساتھ رشتہ جوڑنے کا ایک مؤثر ذریعہ بھی ہے' لہٰذا اپنی زبان سے دست برداری کا مطلب اپنے پورے ماضی سے اپنے عقیدے اور اپنی فکر سے' اور اپنی تہذیب اور ثقافت سے منہ موڑنا ہے' اگر ہمیں اپنی نسلوں کو اس ہول ناک اقدام بچانا ہے تو ہمیں اپنی یہ عادت بدلنی ہو گی۔

شام کے آنسو

آخری قسط

بنتِ محمود رحیم

""چلیں آپی ! دیر ہو رہی ہے۔""علی نے انھیں یاد دلایا۔عائشہ نے عمر کا ہاتھ بڑی سختی سے پکڑا ہوا تھا'بس یہی آسرا تو اس کے پاس بچا ہوا تھا۔

""چلو !""اس نے اپنی چادر سے منہ ڈھانپتے ہوئے کہا۔

پورا علاقہ ویران ہو چکا تھا۔سارے گھر منہدم ہو چکے تھے'کچھ جل چکے تھے اور کچھ گھر قائم تو تھے'لیکن گرنے کے قریب تھے اور ان کے مکین اللہ کے پاس جا چکے تھے'چاروں طرف لاشیں بکھری ہوئیں تھیں'اعضا بکھرے ہوئے تھے'لاشوں کے چہرے مسخ تھے'بچوں کے رونے کی آوازیں گونج رہی تھیں۔

""السلام علیکم آنٹی !""عائشہ نے علی کی والدہ کو سلام کیا۔

""وعلیکم السلام...بیٹا ! بہت دیر لگا دی تم لوگوں نے اور حمزہ کہاں ہے ؟""

""آنٹی !""عائشہ کی آواز بھرا گئی""وہ اُمی 'اَبی کے بغیر نہیں رہ سکتا تھا تو ایسے موقع پر وہ ان کو تنہا کیسے چھوڑ کر جا سکتا تھا۔اس کو اَبی اور اُمی سے ملنے کی جلدی تھی سو وہ ان کے پاس چلا گیا۔""علی کی والدہ اسے دکھ سے دیکھتی رہ گئی۔اچانک کہیں سے شور کی آواز گونجنے لگی۔سب گھبرا گئے۔

""اُختی ! مجھے لگتا ہے کہیں کوئی گھر گر گیا ہے۔ہم ابھی دیکھ کر آتے ہیں۔آپ لوگ ہمارا انتظار کریں۔""عمر'عائشہ سے یہ کہتا ہوا جلدی سے انکل کے پیچھے بھاگا'جو خود بھی اسی سمت بھاگے جا رہے تھے۔

""اللہ ! ان سب کی حفاظت فرما۔""عائشہ نے کہا۔

""آمین۔""آنٹی کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

وہ عمر کے چہرے کو چپ چاپ دیکھے جا رہی تھی۔وہ بھی اس کو چھوڑ کر چلا گیا تھا۔

لوگوں کو بچانے کے دوران ایک دیوار اس پر آ گری تھی۔سارے لوگ باہر کھڑے تھے۔اندر سے کسی بچے کے رونے کی آواز آ رہی تھی۔سب اندر جاتے ہوئے تھوڑا ہچکچا رہے تھے'لیکن اس سے یہ نہ دیکھا گیا اور ان کے روکنے کے باوجود اندر چلا گیا اور پھر...وہ واپس نہ آیا۔عائشہ اور حمزہ اس کو تنگ کرتے تھے کہ یہ بزدل ہے۔ذرا سی بات پر رونے لگ جاتا تھا'لیکن اب وہ عائشہ کو کھلی آنکھوں سے گویا یہ کہہ رہا تھا'دیکھا اُختی ! میں بزدل نہیں تھا ناں...میں بہادر ہوں ناں حمزہ کی طرح...آپ تو کہہ رہی تھیں کہ حمزہ اَبی اور اُمی کے بغیر نہیں رہ سکتا تھا تو آپ میرا نام لینا کیوں بھول گئیں تھیں...میں بھی تو تھا ناں...میں بھی تو اَبی اور اُمی کے بغیر نہیں رہ سکتا۔اس نے بھیگی آنکھوں کے ساتھ عمر کی آنکھیں بند کیں اور چادر کے اندر سے اپنا دوپٹہ نکال کر اس کے اوپر ڈال دیا۔اس سے زیادہ وہ اس کے لیے کچھ نہ کر سکتی تھی۔

""بیٹا ! تم پریشان مت ہو۔میں جانتی ہوں تم پر بہت بڑی آزمائش ہے۔تمہارا تو کوئی نہیں رہا'لیکن تمہیں صبر کرنا ہے۔میں جانتی ہوں تمہارا جانے کا یہاں سے دل نہیں کر رہا ہو گا'لیکن بیٹا ! تم یہاں محفوظ نہیں ہو۔ترکی میں تمہیں حفاظت ملے گی۔تمہیں پتا ہے بہت سے ممالک ترکی کی مدد کر رہے ہیں۔تمہیں معلوم ہے وہاں پر لڑکیوں کے لیے علیحدہ عمارتیں بنائی گئیں ہیں۔تم پریشان مت ہو'ہم دوبارہ واپس آئیں گے۔""آنٹی اسے تسلی دے رہی تھی'لیکن وہ اس کی بات نہ سن رہی تھی۔اس کا دھیان تو کہیں اور تھا۔وہ وہاں جاتے ہوئے یہی سوچے جا رہی تھی کہ وہ تو جا رہی ہے'لیکن کتنی لڑکیاں اور لڑکے'کتنے مرد اور عورتیں ایسی تھیں'جو کھانے کو ترس رہے تھے'سردی سے ٹھٹھر رہے تھے۔آخر کب تک شام لہولہان ہوتا رہے گا؟

کب تک انبیا کی زمین بے گناہ لوگوں سے رنگین ہوتی رہے گی؟

کب تک بچے یتیم ہوتے رہیں گے ؟

کب تک بوڑھے والدین اپنے بچوں کو دفناتے رہیں گے ؟

آخر کب اس ملک سے آگ بجھے گی؟

کون آئے گا جو اس ملک کو دوبارہ آباد کرے گا؟

کب تک جوان لڑکیوں کی عزتیں پامال ہوتی رہیں گی؟

کب تک وہ اپنے ملک سے دور رہے گی؟

کب تک وہ اپنے ملک 'اپنی دھرتی ماں 'اپنے اَبی 'اپنی اُمی 'اپنے حمزہ اور اپنے عمر سے دور رہے گی؟

کب تک ؟آخر کب تک ؟؟؟

pg29

Katchi estate

وہی تو ہے

قسط نمبر 1

نفیسہ سعید

”میں اللہ کو نہیں مانتا...“

اس نے چونک کر اپنے سامنے بیٹھے شخص کو دیکھا، جس کے چہرے پر چھائی گہری سنجیدگی اس کے الفاظ کی سچائی بیان کر رہی تھی، مگر وہ یقین نہ کرنا چاہتی تھی اور کیسے کرتی؟ جس شخص کے ساتھ اس کا بچپن گزرا، ساتھ کھیل کود کر دونوں جوان ہوئے، ایک ہی گھر میں دو علیحدہ پورشنز میں رہنے والے کزنز، جن کی دو سال قبل منگنی بھی ہوئی تھی، جو ایک دوسرے کی اچھائی برائی سب جاننے کے دعویدار تھے، جن کے گھرانے صوم و صلوٰۃ کے پابند تھے، ایسے میں ان الفاظ پر یقین کرنا اسے قدرے دشوار لگا۔

”میرا خیال ہے تمہیں اپنے الفاظ کی سنگینی کا اندازہ نہیں۔ ایسا جملہ اور کفریہ الفاظ مذاق میں بھی کہنا گناہ ہے۔“

”میں جانتا تھا کہ تم فوری طور پر مجھے کافر قرار دے دو گی، کیوں کہ تم مسلمانوں کے ساتھ سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ تمہیں ہر وہ شخص کافر دکھائی دیتا ہے، جو سچ بولتا ہے۔ کفر کا فتویٰ لگانے میں ایک پل بھی نہیں لگاتے تم لوگ“ طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ اپنی بات مکمل کرتے ہوئے وہ دھیرے سے ہنس دیا۔

”تمہارے نزدیک اللہ تعالیٰ کے وجود سے انکار سچائی ہے؟“ لحظہ بہ لحظہ آگے کی جانب بڑھتی گفتگو اسے پریشانی کے ساتھ ساتھ حیران بھی کر رہی تھی۔

”ہاں! تم خود سوچو... جو ہمیں دکھائی نہ دے، ضرورت کے وقت ہماری مدد نہ کر سکے، جو ہماری کسی پکار کا جواب نہ دے، جسے ہماری تکلیف، ہماری خوشی اور غم سے کوئی واسطہ نہ ہو...“

”ایکسکیوز می... میرا خیال ہے، امریکہ کی دو سالہ رہائش نے تم سے ساری سوچنے سمجھنے کی صلاحیت چھین لی ہے۔ یہی وجہ ہے، جو تمہارے منہ میں آرہا ہے تم کہے چلے جارہے ہو۔“ اس کفریہ گفتگو نے اس کی برداشت کو ختم کر دیا تھا، اس لیے وہ قدرے چلّا کر بولی۔ آس پاس موجود ٹیبل کے لوگ اس کی جانب متوجہ ہوگئے۔

”یہ غصہ، بد تمیزی، مخالف کو جان سے مار دینا، یہ سب وہ اعمال ہیں جن کی اجازت تم لوگوں کو تمہارے مذہب نے دی ہے۔“ دھیرے دھیرے بولتا وہ اسے مزید تپا گیا۔

”ایک بات بتاؤ! تمہارے گھر والے، تمہارے ان نادر خیالات کے بارے میں جانتے ہیں؟ تایا ابو اور تائی امی کو علم ہے کہ ان کا قابل انجینئر سپوت ڈگری کے ساتھ ساتھ امریکہ سے لبرل کا ٹھپّہ بھی لگوا لایا ہے، ایسی لبرل جن کی زبان اور ذہن مادر پدر آزاد ہو جاتے ہیں۔“

”نہیں جانتے تو جان جائیں گے اور ویسے بھی ہم جو کچھ کرتے ہیں، سرِعام کرتے ہیں، چھپ چھپا کر گناہ یا ثواب کا درس ہمیں نہیں ملتا۔ بہر حال! سب سے پہلے میں نے تمہیں اس لیے بتایا کہ آنے والے وقتوں میں تمہیں میرے ساتھ زندگی گزارنی ہے، باقی تمام رشتے میرے لیے غیر ضروری ہیں سوائے ایک تمہارے، اس لیے تمہارے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ میرے خیالات اور نظریات اب وہ نہیں رہے جو کبھی تھے۔ اب میں مکمل طور پر آزاد اور سمجھ دار ہو چکا ہوں اور میرے ان خیالات کے ساتھ، اگر تم میری زندگی میں شامل ہونا چاہو تو یقینا میرے لیے خوشی کی بات ہوگی۔“

”سوری...“ اس کی بات ختم ہوتے ہی وہ ٹیبل پر رکھا اپنا ہینڈ بیگ اٹھا کر کھڑی ہو گئی ”میرا خیال ہے کہ ہم دونوں کا ساتھ بس یہاں تک ہی تھا، کیوں کہ میں کسی ایسے شخص پر تھوکنا بھی پسند نہیں کروں گی جو میرے دین اور اللہ کا مخالف ہو۔“ یہ کہہ کر وہ تیزی سے باہر نکل آئی۔ ٹیکسی تلاش کرتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جمع پانی گالوں پہ بہہ نکلا۔ (جاری ہے)

اسما بنتِ اسد رحمۃ اللہ علیہا

اہلیہ محمد فیصل

اسما بنتِ اسد قیروان کی رہنے والی تھیں۔ علم و فضل میں اپنے دور کی سر فہرست خواتین میں شمار ہوتا تھا۔ 192ھ میں قیروان کے ایک علمی گھرانے میں پیدا ہوئیں۔ اسد بن فرات ان کے والد بہت بڑے فقیہ، محدّث اور رجال و سیر کے عالم تھے۔ بیٹی کو بھی بڑے بڑے علما و فقہا سے تعلیم دلوا کر علمِ دین کے زیور سے آراستہ کیا۔ بچپنے ہی سے علمی مجلسوں، محفلوں اور مناظروں میں والد ماجد کے ساتھ ہم رکاب ہونے کی بنا پر علم و ادراک کے ایسے ایسے گوشوں کو کم عمری میں ہی سمجھنے لگیں، جس کے حصول کے لیے عمریں درکار ہوتی ہیں۔

ایک دفعہ ان کے شاگرد عبد اللہ بن یحیٰ نے امام ابو حنیفہؒ اور ان کے فقہ کے بارے میں چند سوال کیے۔

"ائمہ دین میں آپ کے نزدیک سب سے بڑا امام کون ہے؟"

"امام ابو حنیفہؒ، ان کی نظر بہت وسیع تھی اور فقاہت میں ان کا کوئی حریف نہ تھا۔ وہ فقہ پر عبور رکھتے تھے۔"

"عبور کا کیا مطلب اور ان کا اندازِ فقاہت کیسا تھا؟"

"وہ مشکل سے مشکل مسائل کو نہایت آسانی سے حل کر دیتے اور مسائل کی چند الفاظ میں تشریح فرما دیتے تھے۔"

آپ امام ابو حنیفہؒ کے متّبعین میں سے تھیں اور ان کے فقہ پر عبور رکھتی تھیں۔ اس مسلک کے فقہا میں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں۔ مختلف علوم کی تحصیل کا بے حد شوق تھا۔ علوم کے حصول میں حد بندی کو غلط کہتیں تھیں۔ فرماتیں "علم کا خاصہ یہ ہے کہ وہ انسان کو تنگ نظری اور تعصب کی بیماری سے نجات دلاتا ہے۔ جو شخص جتنا وسیع المطالعہ اور وسعتِ معلومات کا حامل ہوگا، اس کا دل اسی نسبت سے حسد و کینہ اور بغض و عداوت کے جراثیم سے پاک ہوگا۔"

ان کا کہنا تھا کہ مردوں کے ساتھ عورتوں کو بھی علوم و فنون سے بہرہ مند ہونا چاہیے اور اپنے فہم و فکر کے زاویوں کو بدلنے کے لیے کوشاں ہونا چاہیے۔ عورت جتنی زیادہ علم و فضل کی مالک ہوگی، اس کے بچے اسی قدر علوم سے دلچسپی رکھیں گے۔ اگر عورت اس نعمتِ عظمیٰ سے محروم رہے گی تو بچوں کے دل میں علم کی محبت نہیں سما سکے گی۔ وہ خوش قسمت ماں ہے، جو اپنے بچوں کو تعلیم و تربیت کے لیے ساز گار ماحول پیدا کرتی ہے اور خود معلّمہ کے فرائض انجام دیتی ہے۔

ایک دفعہ ان سے کسی نے بحث کی کہ: "آپ امام ابو حنیفہؒ کے مسلک سے ہیں، مگر امام شافعی و امام مالک کی بھی تعریف کرتی ہیں۔ مخالفت کیوں نہیں کرتیں؟"

"اس لیے کہ یہ مسلمانوں کے سچے خادم، مخلص دوست اور اللہ کے برگزیدہ بندے تھے۔"

بزرگانِ دین کا بے حد احترام کرتیں اور تمام فقہی مسالک پر گہری نظر رکھتی تھیں۔ ان کا انتقال 250ھ میں عراق میں ہوا۔ اللہ تعالیٰ کی ان پر کروڑوں رحمتیں نازل ہوں اور ہمیں ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق ملے۔ آمین

خط نمبر 32

باپ کا بیٹی کے نام خط

محمد دانش

میری سعادتمند بیٹی۔ ہزار ہا دعائیں

بیٹی! آپ تو جانتی ہیں کہ خاتونِ خانہ کی حیثیت سے آپ پر کتنی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ لیکن اس میں گھبرانے یا پریشان ہونے والی کوئی بات نہیں کیونکہ زندگی کا لُطف مصروف، فعال اور چیلنج سے بھرپور زندگی گزارنے میں ہوتا ہے۔ آپ گھریلو ذمہ داریوں کو چیلنج سمجھ کر اُن کو بہترین طریقے سے پورا کرنے کی کوشش کیجیے اور ایسا کرنے کے لیے کچھ رہنما اصول آپ کی نذر کر رہا ہوں۔

1 گھر کی فضا خوشگوار رکھنے کے لیے مناسب ہے کہ گھریلو مسائل کا بار بار تذکرہ کر کے اہلِ خانہ کو پریشان نہ کیا جائے، بل کہ موقع کی مناسبت سے اپنے شوہر اور دیگر متعلقین سے مسائل پر نہ صرف تبادلہ خیال کریں بل کہ اُن کے حل کے لیے کوئی راستہ ضرور نکالیں۔

2 جس طرح معیشت کو کسی ملک کی ریڑھ کی ہڈی کہا جاتا ہے، اسی طرح گھر کے معاشی حالات وہاں کے امن اور سکون کے لیے بے حد ضروری ہوتے ہیں۔ متوازن گھریلو بجٹ افراد خانہ کو ذھنی سکون اور آسودگی فراہم کرنے میں بہت اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اب آپ پر منحصر ہے کہ آپ کس طرح اپنی آمدنی اور اخراجات میں توازن رکھتے ہوئے مستقبل کے لیے کچھ رقم پس انداز بھی کر لیتی ہیں، اگرچہ مہنگائی کے دور میں یہ کافی مشکل کام ہے۔ تاہم اگر اپنے اخراجات کو آمدنی کے مطابق کرنے کے لیے اپنی ترجیحات درست رکھی جائیں اور اپنی خواہشات پر قابو پالیا جائے تو متوازن گھریلو بجٹ بنا کر اس پر عمل درآمد کیا جا سکتا ہے۔ اس کے لیے آمدنی کو جائز طریقے سے بڑھانا اور فضول خرچی سے اجتناب کرنا ہو گا۔

3 گھر کا انتظام وانصرام بہترین طریقے سے چلانے کے لیے ہمارے یہاں ایسے تربیتی اداروں کا فقدان ہے۔ جہاں لڑکیاں اس موضوع پر تربیت حاصل کر سکیں۔ وہ اپنے گھروں میں جو طریقہ دیکھتی ہیں وہی طریقہ اپنے گھر میں بھی رائج کر لیتی ہیں۔ اس ضمن میں میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ اس موضوع پر کچھ کتابوں کا مطالعہ ضرور کیجیے، تاکہ گھر کے نظم و نسق کو چلانے سے متعلق جو معلومات حاصل ہوں ان سے اپنے گھریلو حالات کے مطابق استفادہ کر سکیں۔

4 ہمارے معاشرتی طور طریقوں میں ''مہمانداری'' کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ مہمانوں کی خاطر تواضع کرنا ہماری مشرقی روایت میں شامل ہے۔ ہمارے گھروں میں مہمان وقت بے وقت اطلاع دیے بغیر جب جی چاہے آجاتے ہیں اور ان کی توقعات یہی ہوتی ہیں کہ ان کی خاطر داری میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی جائے۔ آپ اس مشرقی روایت کو اپنے گھر میں رائج رکھیں، مگر میانہ روی کے ساتھ مہمانوں کو خوش دلی سے خوش آمدید کہیں، لیکن ان کی خاطر تواضع کرتے وقت اپنی جیب اور بجٹ کا بھی خیال رکھیں۔ ایسا نہ ہو کہ چار دن مہمانوں کی خاطر مدارات کرنے کے بعد پورا مہینہ گزارنا مشکل ہو جائے۔ بہتر یہ ہو گا کہ آپ ہر ماہ اپنے بجٹ میں مہمانوں کی مد کی کچھ رقم علیحدہ کر کے رکھ لیں، تاکہ جب کبھی اچانک مہمانوں کی آمد ہو تو آپ اسی رقم میں سے خرچ کریں اور آپ کو کوئی دقت بھی نہ ہو۔

5 آپ گھر والوں اور مہمانوں کے لیے چائے یا کھانے کے ساتھ پیش کرنے کے لیے کچھ سامان مثلاً سموسے، کباب اور کیک وغیرہ گھر پر تیار کر کے فریزر میں رکھ لیا کریں، تاکہ بوقت ضرورت استعمال ہو سکیں اور انھیں عین وقت پر بازار سے منگوانا نہ پڑے۔ سلیقہ مند بچیوں کا یہی طریقہ ہوتا ہے۔

6 گھر کے نظم و نسق میں گھر کو صاف سُتھرا رکھنا اولیت کا درجہ رکھتا ہے۔ گھر کے ساز و سامان اور فرنیچر وغیرہ کی حفاظت کرنا اور دیگر ذاتی استعمال کی چیزوں کی حفاظت کرنا۔ مثلاً برتنوں کی صفائی کا خیال اور چھوٹے چھوٹے بے شمار کام خاتونِ خانہ کے ذمہ ہوتے ہیں۔

7 گھریلو ذمہ داریوں کو اگر آپس میں بانٹ لیا جائے تو گھر کا نظام بہتر طریقے سے چلایا جا سکتا ہے۔ سب اہلِ خانہ اپنی اپنی عمر بساط کے مطابق گھریلو ذمہ داریاں پوری کریں تو بہتر نتائج نکل سکتے ہیں۔ بشر طیکہ تقسیم کار منصفانہ ہو اور ٹیم ورک کے جذبہ سے کام لیا جائے، امید ہے کہ میری سلیقہ شعار بیٹی ایک مثالی خاتونِ خانہ ثابت ہو گی۔ انشاء اللہ!

دعا گو
آپ کے ابو

pg33

Parus Plastic

تصویر سازی

محمد خالد متعلّم جامعہ بیت السلام کراچی

عدنان اور وسیم دونوں بچپن ہی سے ہم جماعت ہیں اور سعد بھی ان ہی کی کلاس میں پڑھتا ہے۔ ان کا معمول تھا کہ ہر جمعرات کو تینوں ایک دوسرے سے ملاقات کرتے تھے۔ حسبِ معمول اس جمعرات بھی عدنان اور وسیم نے سعد کے دروازے پَر دستک دی اور ایک جانب کھڑے ہوگئے۔ سعد گھر سے مسکراتے ہوئے' ہاتھ میں ایک شیٹ تھامے نکلا اور سلام کے ساتھ ساتھ ہاتھ بھی ملانے لگا۔ سلام کے بعد سعد ان دونوں کو اندر بٹھاتا ہے' مگر بیٹھنے سے پہلے ہی وسیم سعد کے ہاتھ سے وہ شیٹ بھی پکڑ لیتا ہے جو دروازہ کھولتے وقت اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی تھی۔ اس نے شیٹ کھولی تو اس میں ایک جان دار کی تصویر بنی دِکھائی دی۔

عدنان: ''یہ کیا ہے سعد؟''

سعد: ''(مسکراتے ہوئے) بھائی یہ میرا شوق ہے' جب بھی فارغ وقت ہوتا ہے تو میں ڈرائنگ شروع کر دیتا ہوں۔''

عدنان: ''شوق میں تو کوئی حرج نہیں' مگر۔''

سعد: ''مگر کیا...؟''

وسیم: ''مگر یہ کہ جان دار کی تصویر بنانا تو گناہ ہے۔ حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن سب سے سخت عذاب تصویر بنانے والوں کو ہوگا۔'' (صحیح مسلم) وسیم تھوڑا قریب ہو کر پھر گویا ہوتا ہے: ''میرے دوست! اس حدیث میں تصویر بنانے والوں کے لیے سخت وعید ہے۔ اصل وجہ یہ ہے کہ بت پرستی تصویر ہی سے شروع ہوئی تھی' جو توحید کی ضد ہے۔'' سعد: ''یعنی شرک...؟؟''

عدنان: ''ہاں! شرک! قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: بے شک اللہ ان کی مغفرت نہیں کرتا' جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے اور اللہ تعالیٰ شرک کے علاوہ ہر گناہ معاف فرماتے ہیں۔'' اسی تصویر سے شرک پروان چڑھتا ہے اور اسی سے دوسرے بڑے گناہوں کو بھی فروغ ملتا ہے۔ تصویروں کا چلن آج ہمارے معاشرے میں عام سے عام ہوتا جا رہا ہے۔ صابن کے ہر ڈبے' سڑکوں پر لگے ہر سائن بورڈ اور سہولت کی اشیا کے ہر پیکٹ پر تصویر آویزاں ہوتی ہے۔ انھیں تصویروں سے ویڈیوز بن کر نوجوانوں کی جوانیاں خاک میں ملا کر ہلاک کر دیتی ہیں اور قیمتی دولت یعنی اوقات کو تباہ کر دیتی ہیں۔ آج نوجوان نسل میں ٹی۔وی' موبائل' فیس بک وغیرہ پر تصویروں کا دیکھنا بہت عام اور فلمیں دیکھنا ایک عام سی بات بن چکا ہے۔ بہر حال تصویر نے کئی لوگوں کی زندگیوں میں منفی اثرات پھیلا رکھے ہیں۔''

وسیم: ''اور سب سے بڑھ کر اللہ ناراض ہوتے ہیں اور نبی کریم ﷺ نے ناپسند فرمایا ہے۔''

سعد: ''میں عزم کرتا ہوں کہ میں آج کے بعد کسی جان دار کی تصویر نہیں بناؤں گا اور میرے البم میں اپنی بنائی ہوئی جانداروں کی جتنی تصاویر ہیں' سب کو آگ میں جھونک دوں گا۔'' (تینوں نماز کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں)

عدنان: ''ماشاء اللہ! سعد نے تو ارادہ کر لیا۔ اللہ ہم سب کو بھی تصویر بنانے سے رکنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین''

وسیم اور سعد: ''ثم آمین...!!''

نقش نگاری

محمد عابد' 13 سال' متعلّم شعبہ حفظ جامعہ بیت السلام

زاہد کو نقش نگاری کا بہت شوق تھا۔ وہ ہر جگہ نقش نگاری کرتا تھا۔ دیواروں پر' دروازوں پر' فرش پر' غرض وہ ہر جگہ نقش نگاری کرتا۔ اس کے ابا تنگ تھے اور اماں الگ پریشان تھیں۔ آخر ایک دن ابا کو ایک ترکیب سوجی۔ وہ زاہد کو سمندر کے کنارے لے گئے۔ زاہد نے ریت پر خوب نقش نگاری کی۔ شام کو ابا بولے: اب ہم ہر ہفتے یہاں آئیں گے۔ یہ سن کر زاہد بہت خوش ہوا اور اسے بہت مزہ آیا' کیوں کہ اسے نقش نگاری کے لیے ایک اچھی جگہ مل چکی تھی

رقیہ شاہ 8 سال کراچی

دعا فاطمہ 9 سال کراچی

محمد حذیفہ 13 سال کراچی

سید عمر فاروق 9 سال کراچی

بچوں کے فن پارے

انس اقبال، 14 سال کراچی

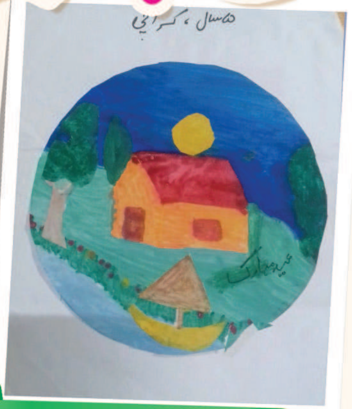

عائشہ فاطمہ، 6 سال کراچی

حماد اللہ، 12 سال، کراچی

امیر محمد 12 سال مردان

محمد بلال 10 سال، سوات

محمد ارشاد 12 سال شانگلہ

ماہنامہ فہمِ دین اگست کے نئے سوالات

سوال نمبر1 :وہ کون سے دوخطّے ہیں، جن میں صرف اسلام کے نام پر ہجرت ہوئی؟

سوال نمبر2 :14اگست1947کو اسلامی کیا تاریخ تھی؟

سوال نمبر3 :عامر کے ابو نے حلب کے مسلمانوں کے لیے کیا کِیا؟

سوال نمبر4 :مانی اور ثانی نے اپنے ٹیچر سے کیا وعدہ کیا تھا؟

سوال نمبر5:کرم داد کو احمر نے کیا تحفہ دیا؟

ہمارا پاکستان پیارا پاکستان

ہمیں پیار ہے اپنے ملک سے
ہمیں پیار ہے اپنے دیار سے
اس ملک پر آئی ہر آنچ مٹادیں
اس ملک کی خاطر اپنی جان لٹا دیں گے
اس ملک کے وجود سے قائم ہے ہمارا وجود
ہمیں پیار ہے اپنے ملک سے
ہمیں پیار ہے اپنے دیار سے
اس ملک میں زندہ کریں گے حکایتِ قرآن
اس ملک میں چلائیں گے وضاحتِ قرآن
ہمیں پیار ہے اپنے ملک سے
ہمیں پیار ہے اپنے دیار سے
ہمارا پاکستان، پیارا پاکستان

آزادی مبارک

پیارے پیارے بچوں کو یومِ آزادی بہت بہت مبارک ہو۔ کیا آپ کو معلوم ہے...؟؟ ہمارے ملک کے بانی قائدِ اعظم نے پیارے ملک کے لیے کیا فرمایا...؟؟

قائدِ اعظم فرماتے تھے: ”مجھ سے اکثر پوچھا جاتا ہے کہ پاکستان کا طرزِ حکومت کیا ہوگا...؟؟ پاکستان کا طرزِ حکومت طے کرنے والا میں کون ہوتا ہوں...؟ مسلمانوں کا طرزِ حکومت آج سے تیرہ سو سال قبل قرآن کریم نے وضاحت کے ساتھ بیان کردیا تھا۔ الحمدللہ! قرآن مجید ہماری رہنمائی کے لیے موجود ہے اور قیامت تک موجود رہے گا۔“

تو پھر بچو! ہمیں کیا چاہیے...؟ ہم م م ...اپنے طرزِ زندگی کو قرآن مجید میں بتائے گئے طریقوں کے مطابق ڈھال لیں اور اس کے علاوہ سب طریقوں سے دور ہٹ جائیں۔

جون کے سوالات کے جوابات

سوال نمبر1 :کیوں کہ اس کے اسکول کا کل پہلا دن ہے۔

سوال نمبر2 :حرّان

سوال نمبر3 :ا۔حلال غذا سے انسان کے اندر نورانیت پیدا ہوتی ہے۔ ۲۔طبیعت میں نیکی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

سوال نمبر4:کیا ہوا اگر ہمیں کوئی نہیں دیکھ رہا تو؟ مگر اللہ تو دیکھ رہا ہے ناں۔

سوال نمبر5:عربی

جون کے سوالات کا درست جواب دے کر انعام جیتنے والے تین خوش نصیبوں کے نام

1...ارشد کریم، 12 سال، ہفتم، کراچی
2...صائمہ رشید، 10 سال، چہارم، کراچی
3... راشد منہاس، 10 سال، شعبہ حفظ، کراچی

ان میں سے ہر ایک کو 300 روپے نقد اور ماہنامہ فہمِ دین مبارک ہو۔

نوٹ: آپ کا بنایا ہوا پیارا سا فن پارہ ہو یا سوالات کے جوابات ہوں اس کے ساتھ اپنا نام، عمر، کلاس، ایڈریس اور فون نمبر ضرور لکھیے گا، ورنہ وہ قابلِ اشاعت نہیں ہوگا۔ اور پھر اسے ماہنامہ فہمِ دین کے ایڈریس پر پوسٹ کر دیں، یا پھر وٹس اپ کے ذریعے 0304-0125750 پر ہمیں سینڈ کردیں۔

pg37

Al-Ghaffar

فرح کی فاختہ

ڈاکٹر الماس روحی

آج صبح سے ہوا فر فر چل رہی تھی۔ فرح کو فلو تھا۔ موسم اچانک ٹھنڈا ہونے کی وجہ سے فراز، فیصل اور فوزیہ کو بھی بخار تھا۔ فاطمہ کو اپنے بچوں کی بہت فکر رہتی تھی۔ اسی لیے وہ اپنے بچوں کے کام فٹافٹ کرلیا کرتی تھی۔ فاروق صاحب فوج میں تھے۔ وہ بچوں کو وقت پر کام کرنے کے فائدے بتاتے رہتے تھے۔ ان کے بچے ان کے بہت فرماں بردار تھے۔ بچے اللہ کے حکم سے دوا پینے کے کچھ روز بعد ٹھیک ہوگئے تھے۔ ایک روز فرح صحن میں پڑے جھولے پر جھولا جھول رہی تھی کہ اچانک فلک سے کوئی چیز فرش پر گری۔ فرح نے جو دیکھا تو وہ ایک پرندہ تھا جو زخمی تھا۔ اس نے فوراً فیصل اور فراز کو آواز دی۔ امی نے بتایا کہ یہ ایک فاختہ ہے جسے کسی نے زخمی کردیا ہے۔ فوزیہ فوراً ہلدی لائی اور اس کی چوٹ پر لگانے لگی۔ فیصل نے فاختہ کو پانی پلایا۔ تھوڑی دیر بعد فاختہ بولی: ”اچھے بچو! میں بہت بھوکی ہوں، اس لیے مجھے کھانے کے لیے بھی کچھ دو۔“

فاختہ کی آواز سن کر سب بچے چونک گئے۔ ”ارے! یہ فاختہ تو بولتی بھی ہے۔“ بچے ہر روز فاختہ کی دیکھ بھال کرتے۔ اب اس کی چوٹ ٹھیک ہوتی چلی جا رہی تھی۔ فرح نے فاختہ کا پنجرہ فانوس کے پاس لٹکا دیا تھا۔ فاطمہ اپنی پڑوسن فریحہ کے ساتھ بچوں کو باغ لے جا رہی تھی۔ فاختہ بولی: ”میں بھی باغ جاؤں گی۔“ یہ سن کر فرح نے فاختہ کو ایک چھوٹی سی ٹوکری میں بٹھایا اور اپنے ساتھ باغ لے گئی۔ فریحہ کا بیٹا فرقان بڑا شرارتی لڑکا تھا۔ سخت جان ہونے کی وجہ سے بچے اسے ”فولادی“ کہتے تھے۔ وہ بار بار فاختہ کو تنگ کر رہا تھا۔

آخر فاختہ تنگ آکر اس سے بولی: ”اوئے موٹے بچے! مجھے ستا کر تمھیں کیا مل رہا ہے؟ بچے وہی اچھے ہیں، جو سب سے پیار کرتے ہیں۔“

فرح نے بھی فرقان کو سمجھایا۔ باغ میں بچوں نے بازار چلنے کی فرمائش کی۔ بازار سے فاطمہ نے فرح کے لیے ایک نئی فراک خریدی۔ فاختہ بولی: ”فرح! جب تم یہ فراک پہنو گی تو بالکل پری لگو گی۔“ فاختہ کی یہ بات سن کر فرح بہت خوش ہوئی۔ اس نے فاختہ کے پَروں کے لیے چھوٹے سے چھلّے خریدے۔ جس کی چھن چھن کی آواز فاختہ کو بہت اچھی لگی۔ فریحہ نے بازار سے اپنے بیٹے فرقان کے لیے اس کے بوٹوں کے فیتے خریدے۔ شاپنگ سے فارغ ہونے کے بعد سب نے مل کر فالودہ کھایا اور فالسے کا جوس پیا۔ ابھی وہ کھا پی ہی رہے تھے کہ اچانک ایک فقیر ان کے پاس آگیا۔ وہ فاقہ سے تھا۔ فاطمہ نے اس کی فریاد پر اسے پیسے دیے۔ شام ہوتے ہی فاطمہ اور فریحہ کو گھر جانے کی فکر لاحق ہوئی۔ انھوں نے فوراً رکشہ لیا اور گھر پہنچیں۔ فاطمہ گھر کے سب کاموں سے فارغ ہونے کے بعد بچوں کو پڑھانے بیٹھ گئی۔ فرح کو اپنا سبق یاد تھا اس لیے اس نے فوراً فر فر اپنا سبق سنا دیا۔ اس کا گلہ کھنچ رہا تھا اور آواز بھی بھاری نکل رہی تھی۔ فراز اور فیصل بھی کھانس رہے تھے۔ سب کو فاطمہ نے

دوائی پلائی۔ فاختہ یہ سب دیکھ کر بولی: ”جب امتحان سر پر ہوں تو بچوں کو اپنی صحت کا خاص خیال رکھنا چاہیے۔ بیمار پڑنے سے محنت نہیں ہوتی تو پھر بچے فیل ہو جاتے ہیں۔“ امی نے فراز کو دیکھتے ہوئے کہا: ”دیکھا! بی فاختہ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ کھٹے فالسوں کا جوس پینے سے تمہیں منع بھی کیا تھا مگر تم سب نے پیا۔ اب کھانسی بھی ہو گئی۔ اب کیا خاک پڑھا جائے گا۔“ امی کو ناراض ہوتا دیکھ کر بچے فوری طور پر اپنا سبق یاد کرنے لگے اور توبہ کی کہ آئندہ فالسے کا کھٹا شربت نہیں پییں گے اور نہ فالسے کھائیں گے۔ آج صبح سے ہی بچے تیار ہو رہے تھے کیوں کہ آج ان کا رزلٹ تھا۔ بی فاختہ اپنے پنجرے میں بیٹھی سب کو کامیابی کی دعائیں دے رہی تھی۔ دوپہر کو فرح بی فاختہ کے پنجرے کے پاس آئی اور اس سے بولی: ”ارے بی فاختہ! تمہارا جو پر زخمی ہو گیا تھا، وہ اب ٹھیک ہو چکا ہے۔ اب تم پھر سے اُڑ سکتی ہو۔“ فرح کی یہ بات سن کر فاختہ حیرت سے اپنے پَر کو دیکھنے لگی۔ فرح نے جیسے ہی فاختہ کا پنجرہ کھولا تو بی فاختہ اُڑ کر فرح کے سامنے بیٹھ گئی اور اس سے بولی: ”فرح! تم ایک اچھی لڑکی ہو۔ تم نے میرا بڑا خیال رکھا۔ اب مجھے اپنا گھر یاد آ رہا ہے۔ مجھے اپنے گھر واپس لوٹنا پڑے گا۔“ فاختہ کی یہ بات سن کر پہلے تو اداس ہوئی مگر امی کے سمجھانے پر اس نے مسکرا کر بی فاختہ کو رخصت کیا۔ بی فاختہ نے اپنے دونوں پَر پھیلائے اور فلک کی طرف رخ کیا۔ فیصل، فراز اور فرح آج بہت خوش تھے۔ تینوں نہ صرف نمایاں نمبروں سے کامیاب ہوئے تھے بل کہ انھوں نے ایک زخمی پرندے کو پھر سے ٹھیک کر دیا تھا۔ فاختہ انہیں ڈھیر ساری دعائیں دیتی ہوئی اڑتی چلی گئی۔

فرفر	ہوا کی رفتار	فلو	زکام
فٹافٹ	فوراً	فرماں بردار	اطاعت گزار
فلک	آسمان		

اسی طرح ہر وہ کام کریں جس سے ہمارے پاکستان کا فائدہ ہو اور ہر اس کام سے بچنا اور دوسروں کو بھی بچانا جس سے اس کا نقصان ہو۔ جیسے ٹریفک سگنل توڑنا، کچرا ڈالنا وغیرہ۔ اور آپ نے تو پڑھا ہی ہے، پاکستان کا مطلب کیا؟ کیا پڑھا ہے، آپ بتائیں ذرا حماد۔“

”پاکستان کا مطلب کیا۔۔۔ لا الہ الا اللہ“ حماد نے فوراً کہا۔

”جی ہاں، شاباش! تو جس مقصد کے لیے ہمارا پاکستان بنا ہے یعنی مذہب اسلام کے مطابق زندگی گزارنا، اس کے طریقوں کے مطابق زندگی گزار کر خود بھی سنورنا اور ملک کو بھی سنوارنا۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ اس کو بنانے میں خوب بڑھ چڑھ کر حصہ لیں اور جس مقصد کے لیے اسے حاصل کیا ہے، اس کے لیے کام کریں۔ اسے صحیح معنوں میں اسلامی پاکستان بنائیں۔ اللہ تعالیٰ سے اس کے لیے دعا کریں۔ کچھ بن کر غیروں کے بجائے اپنے ملک پاکستان اور مذہب اسلام کی خدمت کریں۔ کیوں بھئی! سمجھ رہے ہیں نا؟“ یہ کہہ کر ٹیچر نے سب کے چہروں کا جائزہ لیا۔

”جی۔“ سب ایک آواز ہو کر بولے۔

”تو پھر سب ایسا کریں گے نا؟“ انھوں نے دوبارہ سوال کیا۔

”جی ضرور ان شاء اللہ۔“ سب بچوں نے جوش سے جواب دیا۔

ٹیچر نے کلاس میں داخل ہوتے ہی سلام کے بعد کہا: ''بچو! اگست کا مہینہ شروع ہو چکا ہے اور اگست کے مہینے میں کیا ہوا تھا بھلا؟''

سب نے ایک ساتھ کہا: ''ہمارا وطن پاکستان آزاد ہوا تھا۔''

''بالکل ٹھیک۔ چلیں یہ بتائیں ہمیں اس کے لیے کیا کرنا چاہیے؟''

یعقوب نے جواب دیا: ''جشن آزادی منانی چاہیے۔''

''کس طرح؟'' انھوں نے پوچھا۔ یسار نے کہا: ''کیک کاٹ کر۔''

طٰہٰ نے کہا: ''گھر کو سجا کر۔''

حنظلہ نے کہا: ''پاکستانی پرچم والے لباس پہن کر۔''

جنید نے جواب دیا: ''گھر میں لائٹنگ کر کے۔''

ٹیچر نے کہا: ''یہ سب باتیں بھی وطن سے محبت بڑھانے کے لیے اپنی جگہ درست ہیں، لیکن ان سب کاموں سے ہمارے وطن عزیز پاکستان کو کیا فائدہ ہوگا؟'' بچے اِدھر اُدھر دیکھنے لگے۔ ''ٹیچر! پھر ہم کیا کریں اپنے پاکستان کے لیے؟'' ایک بچے نے ہاتھ اٹھا کر پوچھا۔

''ہم کوئی ایسا کام کریں جس سے ہمارے وطنِ عزیز کا بھی تو کچھ فائدہ ہو۔ یہ بتائیں آپ لوگوں نے کبھی نماز پڑھ کر، دعا کر کے اپنے وطن سے محبت کا اظہار کیا ہے؟ کبھی قرآن پاک کی تلاوت کر کے پاکستان کے لیے دعا بھی کی ہے۔'' یہ کہہ کر ٹیچر نے بچوں کی طرف دیکھا۔ سب نے انکار میں گردن ہلائی۔

''اچھا! تو کیا آزادی کا یہی حق ہے کہ صرف ایک دن کو مقرر کر لیں اور باقی سارا سال اس کو بھول جائیں؟ کیا آپ کو پتا ہے کہ ہمارے بڑوں نے کتنی قربانیاں دیں اس ملک کو حاصل کرنے کے لیے اور ہم اس کو سنوارنے اور تعمیر کرنے کے بجائے صرف سال میں ایک دن منائیں اور باقی سال آزادی کو بھول جائیں؟ کیا ایسا کرنا چاہیے؟''

بچوں نے انکار میں سر ہلایا۔

''سنو بچو! آزادی کا دن منایا نہیں، بل کہ یاد رکھا جاتا ہے۔'' ٹیچر نے یہ بات کہی تو سب بچوں کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا: ''آپ کچھ سمجھے؟'' پھر خود ہی بتانا شروع کیا: ''مطلب یہ کہ آزادی صرف ایک دن منانے کی چیز نہیں، بلکہ سارا سال اور ساری زندگی اس کو یاد رکھنا، اس کے تقاضے پر عمل کرنا اور سب سے بڑھ کر اس کی حفاظت کرنا بہت ضروری ہے۔''

''وہ کس طرح۔'' ایک ساتھ کئی آوازیں ابھریں۔ ''دیکھیں! سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں کہ اس نے ہمیں ایک آزاد وطن عطا کیا۔ آزادی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، اس کی قدر کریں، پاکستان کے لیے دعا کریں، اس کی تعمیر و ترقی میں اپنا حصہ ڈالیں۔ اس کو صاف ستھرا رکھیں۔ جس قدر ممکن ہو، غیر ملکی مصنوعات کے مقابلے میں پاکستانی مصنوعات کا استعمال کریں۔ اسی طرح ہر وہ کام کریں جس سے ہمارے پاکستان کا فائدہ اور ہر اس کام سے بچنا اور دوسروں کو بھی بچانا جس سے اس کا نقصان ہو۔ جیسے (بقیہ ص 39 پر)

pg41

Parvez Umar

ہم نے تیرے دین کی خاطر پاکستان بنایا ہے

مشرف علی تھانوی

کفر سے لے کر آزادی، ایماں کا عَلم لہرایا ہے
ہم نے تیرے دین کی خاطر پاکستان بنایا ہے
رنگ برنگے پھولوں سے ہم گلشن کو سجائیں گے
چپّہ چپّہ گوشہ گوشہ باغ و بہار بنائیں گے
محنت اور لگن کے پرچم دھرتی پر لہرائیں گے
ثمرہ، دیس سے الفت کا ہم دنیا کو دکھلائیں گے
کفر سے لے کر آزادی، ایماں کا عَلم لہرایا ہے
ہم نے تیری دین کی خاطر پاکستان بنایا ہے
ظلم و ستم کا دور، خدا کی دھرتی سے ہٹ جائے گا
عدل ووفا کا دور یہاں پر آئے گا اور آئے گا
الفت اور محبت کا پیغام ہمیں سُنوائے گا
کینہ، بغض و عداوت کا ہر نام و نشان مٹ جائے گا
کفر سے لے کر آزادی، ایماں کا عَلم لہرایا ہے
ہم نے تیرے دین کی خاطر پاکستان بنایا ہے
ہم نے کیے تھے رب جہاں سے یاد کرو عہد و پیمان
قوم سے وعدے ہم نے کیے تھے تم کو ملے گی حفظ و امان
لائیں گے ہم عہدِ وفا اور عہدِ حیا، عہدِ ایمان
وردِ زباں تھا قوم کے جس دن لے کے رہیں گے پاکستان
کفر سے لے کر آزادی، ایماں کا عَلم لہرایا ہے
ہم نے تیرے دین کی خاطر پاکستان بنایا ہے
اس کا جھنڈا سبز ہلالی سرحد پر لہراتا ہے
قوم کی عزت اور بلندی دشمن کو دِکھلاتا ہے
اپنے ملک کی آزادی کا مُژدہ بھی سُنواتا ہے
فوج کی شان و شوکت کے ہر روز ترانے گاتا ہے
کفر سے لے کر آزادی، ایماں کا عَلم لہرایا ہے
ہم نے تیرے دین کی خاطر پاکستان بنایا ہے

سُود کی لعنت ختم کریں گے، پاک معیشت لائیں گے
رشوت، چوری، جھوٹ مٹا کر حق و صداقت لائیں گے
شام فریبی دُور کریں گے، صبحِ حقیقت لائیں گے
دَجل کا حصار توڑ کے عارفؔ، دین و شریعت لائیں گے
کفر سے لے کر آزادی، ایماں کا عَلم لہرایا ہے
ہم نے تیرے دین کی خاطر پاکستان بنایا ہے

نافذ کرنے کو اسلام
ہم نے بنایا پاکستان

ارسلان اللہ خان

بھولو مت تم ہو انسان
رب نے دی ہے یہ پہچان
تم کو بنایا ہے اشرف
اس کا کتنا ہے احسان
اس کے آگے جھک جاؤ
جس نے تم کو دی ہے جان
جب بھی موقع مل جائے
کر لو نیکی کا سامان
جو ہیں رب کے نافرمان
زندہ رہ کر ہیں وہ بے جان
جس کو ملتا ہے تقویٰ
اس کو ملتا ہے وِجدان
توبہ کر کے دیکھو تم
رب کو پاؤ گے رحمٰن
جو مانگیں غیروں سے
وہ بھی کتنے ہیں نادان
جنت میں ہر مومن کے
پورے ہوں گے سب ارمان
اللہ کے ہیں وہ محبوب (ﷺ)
ہیں سب نبیوں سے ذیشان
وقت پہ اجرت ملنے سے
خوش ہو جاتا ہے دِہقان
نافذ کرنے کو اسلام
ہم نے بنایا پاکستان
عزت اس کو دینا خوب
گھر میں آئے جو مہمان
نیکی کو پھیلاتا ہے
ماہِ مبارک ہے رمضان
سنت ہے یہ آقا (ﷺ) کی
سب پر کرنا تم احسان
دینِ حق کی خاطر ہم
سب کچھ کر دیں گے قربان
لاکھوں ولیوں کا مسکن
اپنا پیارا ہے ملتان
نیکی کا بدلہ نیکی
کہتاہے یہ بھی قرآن
جو بھی اچھے بچے ہیں
پڑھتے رہتے ہیں قرآن
ابو کا اور امی کا
پورا کرتے ہیں فرمان
رکھو تم دھیمی آواز
کہتے تھے حضرت لقمانؑ
جس سے ہر اِک پائے فیض
بن جاؤ تم بھی ریحان
بد لوگوں میں اچھا بھی
بن جاتا ہے بے ایمان
غصے والوں کی اکثر
ہوتی رہتی ہے گھمسان
ساری دنیا نیک بنے
میرے دل میں ہے یہ ارمان

گلدستہ

حمد باری تعالیٰ

وہی ابتدا کا خالق، وہی مالک انتہا کا
یہ جہاں بھی ہے خدا کا وہ جہاں بھی ہے خدا کا

تِرے فیض کے سمند رہیں قدم قدم پہ جاری
کرے کیا کوئی احاطہ ،مِرے رب تری عطا کا

یہ پہاڑ،دشت و دریا، یہ فلک، یہ جن و اِنساں
رہے کوئی بھی نہ باقی جو کرم نہ ہو خدا کا

ہے اسی کے دستِ قدرت میں بدلنا فطرتوں کا
ہو وہ آگ کی جبلّت کہ مزاج ہو ہوا کا

یہ شجر، حجر، سمندر، حسیں مہر و ماہ و اختر
ہیں اسی کے سب ثنا گر، وہ جو رب ہے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا

وہ ہے کون، دے رہا ہے جو نویدِ زندگانی
تُو اگر نہیں ہے حاصل مِرے قلب کی صدا کا

یہ شعور مجھ کو بخشا ہے کتابِ حق نے جوہؔر
مجھے آ گیا سلیقہ مِرے رب تِری ثنا کا

محمد نعیم الرحمٰن جوہرؔ

مدینے کا سفر

مدینے کا سفر ہے اور میں نم دیدہ نم دیدہ
جبیں افسردہ افسردہ، قدم لغزیدہ لغزیدہ

چلا ہوں ایک مجرم کی طرح میں جانبِ طیبہ
نظر شرمندہ شرمندہ، بدن لرزیدہ لرزیدہ

کسی کے ہاتھ نے مجھ کو سہارا دے دیا ورنہ
کہاں میں اور کہاں یہ راستے پیچیدہ پیچیدہ

غلامانِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دُور سے پہچانے جاتے ہیں
دل گرویدہ گرویدہ، سر شوریدہ شوریدہ

مدینے جا کے ہم سمجھے تقدّس کس کو کہتے ہیں
ہَوا پاکیزہ پاکیزہ، فضا سنجیدہ سنجیدہ

بصارت کھو گئی لیکن بصیرت تو سلامت ہے
مدینہ ہم نے دیکھا ہے، مگر نادیدہ نادیدہ

وہی اقبالؔ جس کو ناز تھا کل خوش مزاج پر
فراقِ طیبہ میں رہتا ہے اب رنجیدہ رنجیدہ

سید اقبال عظیمؔ

غفلت اور بے حسی

دِل کی حِس جب ختم ہوجاتی ہے تو اس کو برائی، برائی نظر نہیں آتی۔ بے فکری ہوجاتی ہے برائیوں سے۔ کتنے گناہ کرتا رہے، پرواہ نہیں رہتی۔ جس طرح بے ہوش کا بدن کاٹ دو تو خبر نہیں ہوتی، اسی طرح دِل کی حِس جس کی ختم ہوجائے، اس کو کچھ تمیز نہیں رہتی، مگر ایک دِن جب ہوش آئے گا تو بدن کے زخموں اور تکالیف کا پورا احساس آجائے گا۔ آج ہاتھ جلتا ہوا نظر نہیں آتا، اس لیے کہ حِس ماری گئی ہے۔ نشہ کب اُترے گا، جب ہمارا ظاہری ہوش جائے گا۔ جب ظاہری آنکھیں بند ہوں گی، تب باطنی آنکھیں کھلیں گی، جیسے سونے والے کو کچھ خبر نہیں ہوتی کہ اس کے آس پاس کیا ہورہا ہے۔ ہر انسان سو رہا ہے اور بیدار جب ہوگا، جب اس کو موت کی ہچکی آئے گی۔ سونے والے کو نفع نقصان کا کچھ پتا نہیں چلتا۔ وہاں جب بیدار ہوگا، تب سب معلوم ہوجائے گا۔

حقائق کا پتا بھی جب ہی لگے گا۔ ہندو بھی مجاہدے کرتے تھے آنکھیں بند کرکے، چاہے اِن کو آخرت میں کچھ نہ ملے، مگر دُنیا میں بھی ایک لذت اِن کو ملتی تھی۔ آج دِل کی حِس ماری ہوئی ہے، جھوٹ بولیں، سچ بولیں، کچھ فرق نظر نہیں آتا۔ یہ گناہ ہمارے لیے کلوروفارم بن گئے ہیں۔ کپڑے پر ایک نقطہ سیاہ لگ جائے تو اُس وقت وہ بھاری معلوم ہوتا ہے۔ بار بار اس کی طرف نگاہ جاتی ہے۔ تکلیف دہ ہوتا ہے، پھر اگر کپڑے پر دو چار، دس بیس پچاس نقطے لگ جائیں تو پھر اس کو احساس نہیں ہوتا، بل کہ اور نقطے پڑ جائیں تو بھلا معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح پہلے گناہ پر اگر متنبہ ہوگیا تو اس کو توبہ سے دھو لیتا ہے پھر بار بار نقطے پڑ کر سارا دِل سیاہ ہوجاتا ہے، جس طرح سانپ کاٹے ہوئے کو نیم کھلادو تو اس کو کڑوا نہیں لگتا، دِل کی حس مرنے سے اچھے برے کی تمیز جاتی رہتی ہے۔

(مرتب مفتی عبدالرؤف سکھروی، مجالسِ مفتی اعظمؒ، ص:۳۱۷)

نوافل اور مستحبات کا حکم

سنن اور مستحبات کے متعلق یہ اعتقاد جما ہوا ہے کہ ان کے کرنے میں ثواب اور نہ کرنے میں گناہ نہیں ہے، اس لیے ان کے ناغہ ہونے کو سہل سمجھتے ہیں، حالاں کہ نصوص میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سننِ زائدہ اور مستحبات کا یہ حکم شروع کرنے سے پہلے پہلے ہے اور شروع کرنے کے بعد اِن کا حکم بدل جاتا ہے، چناں چہ ایک حکم تو بالکل شروع کرنے کے وقت کے ساتھ مختص ہے، وہ یہ ہے کہ شروع کرنے کے بعد مستحب کا پورا کرنا واجب اور ضروری ہو جاتا ہے اور ایک حکم عام ہے کہ جو شروع کرنے کے ساتھ مختص نہیں، وہ یہ ہے کہ جس مستحب کو روزانہ کرنے کا معمول بنا لیا جائے اور کچھ عرصے تک اس کو مستقل کر لیا جائے، اب اس کا ناغہ کرنا اور پابندی کو چھوڑ دینا مکروہ ہے۔ اس کی دلیل بخاری شریف کی ایک حدیث ہے، جو عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ: **یَاعَبْدَاللهِ! لَاتَکُنْ مِثْلَ فُلَانٍ کَانَ یَقُوْمُ مِنَ اللَّیْلِ ثُمَّ تَرَکَہٗ** ترجمہ: اے عبداللہ! تم فلاں شخص کی طرح نہ ہونا، جو رات کو نماز کے لیے اٹھا کرتا تھا، پھر اٹھنا چھوڑ دیا۔

اس حدیث میں حضور اکرم ﷺ نے اس شخص کی اس حالت پر ناگواری اور کراہت ظاہر فرمائی ہے۔ معلوم ہوا کہ مستحب کو معمول بنا کر پھر چھوڑ دینا مذموم اور مکروہ ہے، اسی لیے بزرگوں کا ارشاد ہے کہ فرائض و واجبات کے علاوہ نوافل وغیرہ کا اتنا ہی پابند ہو، جس کو نباہ سکے، ورنہ شروع ہی نہ کرے۔ اس سے بڑی بے برکتی ہوتی ہے۔ انسان کی عادت ہے کہ جب ایک کام کا پابند ہو، پھر اس میں فتور ہونے لگے تو اس کا خَلل بہت دور تک جاتا ہے، چناں چہ اس عمل پر تو پھر عمر بھر پابندی نصیب نہیں ہوتی اور اس سے گزر کر دوسرے اعمال میں بھی اس کا اثر ظاہر ہوتا ہے۔ آج تو تہجد میں فتور ہے، کچھ دِنوں میں صبح کی نماز کی بھی پابندی نہ رہے گی۔ نماز قضا ہونے لگے گی اور یہ سارا فساد ایک مستحب کی پابندی چھوڑنے سے ہوا۔

(حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، تحفۃ العلما، ص: ۱۴۲)

آپ کے اشعار

کچھ سمجھ کر ہی ہوا ہوں، موج دریا کا حریف
ورنہ میں بھی جانتا ہوں، عافیت ساحل میں ہے

وحشتؔ کلکتوی

کہانی میری رُودادِ جہاں معلوم ہوتی ہے
جو سنتا ہے، اُسی کی داستاں معلوم ہوتی ہے

سیمابؔ اکبر آبادی

کہہ رہا ہے شورِ دریا سے سمندر کا سکوت
جس کا جتنا ظرف ہے، اُتنا وہ خاموش ہے

ناطقؔ لکھنوی

اپنی حدود سے نہ بڑھے کوئی عشق میں
جو ذرہ جس جگہ ہے، وہیں آفتاب ہے

جگرؔ مراد آبادی

اور بھی دُکھ ہیں زمانے میں محبت کے سوا
راحتیں اور بھی ہیں وصل کی راحت کے سوا

فیض احمد فیضؔ

زندگی کا ساز بھی کیا ساز ہے
بج رہا ہے اور بے آواز ہے

حیاتؔ امروہی

مجھے سہل ہو گئیں منزلیں، وہ ہوا کے رُخ بھی بدل گئے
ترا ہاتھ ہاتھ میں آگیا کہ چراغ راہ میں جل گئے

مجروحؔ سلطان پوری

اصلاح کا صحیح طریقہ

ہم اپنے حالات کا جائزہ لے کر دیکھیں تو نہ جانے کتنی جماعتیں، کتنی انجمنیں، کتنے ادارے ہیں جو اصلاح کے کام کے لیے قائم ہوئے ہیں، لیکن اس کے اثرات کما حقہ ظاہر نہیں ہو رہے ہیں اور جس تعداد میں وہ ادارے یا انجمنیں کام کر رہی ہیں، ان میں جو کوئی بھی اصلاح کا ڈنکا لے کر کھڑا ہوتا ہے، ہر ایک کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ اصلاح کا عمل دوسرے لوگوں سے شروع ہو۔ اپنی فکر کرنے کے بجائے دوسروں کی اصلاح کرنے کی فکر ہوتی ہے۔ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہر ایک اپنا جائزہ لے کر دیکھے کہ میرے اندر کیا خرابی ہے؟ اس کا موقع عام طور پر ہمیں نہیں ملتا۔ ہم دنیا کو خراب کہتے ہیں، مگر اپنے آپ کو خراب نہیں کہتے۔ اس کے بارے میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ: اِذَاقَالَ الرَّجُلُ ھَلَکَ النَّاسُ فَھُوَ اَھْلَکُھُمْ (رواہ مسلم، مشکوٰۃ المصابیح، باب حفظ اللسان ص: ۴۱۱)

یعنی" جو شخص یہ کہے کہ ساری دنیا برباد ہو گئی، یعنی لوگوں کے اخلاق خراب ہو گئے تو وہ شخص خود برباد ہے اور اس کے اخلاق خود خراب ہیں۔" جو پیغام اس آیتِ کریمہ نے دیا ہے وہ یہ ہے کہ جب حالات خراب ہو جائیں اور معاشرہ بگڑ جائے تو پھر دوسروں پر تنقید کرنے کے بجائے اپنی فکر کرو کہ میں اپنی زندگی میں کتنے احکام بجا لاتا ہوں؟ میری عبادت واقعتاً اللہ کے احکام اور سنت کے طریقے کے مطابق ادا ہو رہی ہیں کہ نہیں؟ میرے معاملات حلال و حرام کی تمیز کے ساتھ ہو رہے ہیں کہ نہیں؟ میں دوسروں کے ساتھ جو معاملہ اور سلوک کرتا ہوں، اللہ کے دین کے مطابق کرتا ہوں کہ نہیں؟ میرے اخلاق واقعتاً حضور ﷺ کے اخلاق کے مطابق ہیں کہ نہیں؟ جہاں جہاں کمزوری ہے، اس کو درست کرنے کی فکر کرے۔ واقعہ تو یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ جب انسان کو اپنی عطا کی فکر اور دھن عطا فرما دیتے ہیں، اپنے عیبوں کی فکر عطا فرما دیتے ہیں تو دوسرے لوگوں کے عیوب اسے نظر نہیں آتے۔

(شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی، خطباتِ دورۂ ہند، ص: ۱۴۵)

بیت السلام ویلفیئر ٹرسٹ کی دینی تعلیمی اور رفاہی خدمات کی جائزہ رپورٹ

اخبار السلام

اگست 2017ء بمطابق ذی قعدہ 1438ھ

بیت السلام کے تین رکنی وفد کا دورۂ ترکی، سرکاری اداروں کی مرکزی انتظامیہ سے ملاقات

تعلیمی نظام میں مزید بہتری کے لیے ایک دوسرے کے تجربات سے فائدہ اٹھانے پر اتفاق

کراچی + انقرہ (نمایندگان خصوصی) بیت السلام ویلفیئر ٹرسٹ کے تین رکنی وفد نے متاثرینِ شام اور دنیا بھر میں رفاہِ عامہ کے لیے اپنے کام کو مزید منظّم کرنے اور وسعت دینے کے لیے ترکی کا دورہ کیا، ترکی کے سرکاری رفاہی اداروں آفاد اور دیانت فائونڈیشن کے صدور اور مرکزی انتظامیہ، نیز ذیلی شعبہ جات کے ذمے داران سے ملاقاتیں ہوئیں، ٹرسٹ کی جانب سے ترکی اور شام میں جاری خدمات پر ترک اداروں نے اطمینان کا اظہار کیا، اس دورے میں دونوں جانب کے ارکان نے تعلیمی خدمات میں ایک دوسرے کے تجربات سے فائدہ اٹھانے، اساتذہ کی تربیت اور طلبہ کی مزید اعلیٰ تعلیم کے لیے باہمی تعاون پر اتفاق کیا۔

بیت السلام شام کے تباہ حال اسکولوں کی بحالی کے لیے کام کرے گا

معاہدے کے مطابق فوری طور پر 5 اسکولوں کے مکمل اخراجات بیت السلام ایجو کیشنل بورڈ نے اپنے ذمے لے لیے

کراچی + انقرہ (نمایندگان خصوصی) بیت السلام ویلفیئر ٹرسٹ نے شام کے تباہ حال اسکولوں کی بحالی کے لیے بھی کام شروع کردیا ہے، پہلے مرحلے میں پانچ اسکولوں کے مکمل اخراجات بیت السلام نے اپنے ذمے لے لیے ہیں، اس سلسلے میں بیت السلام کے تین رکنی وفد کی ملاقات دیانت فائونڈیشن کے مرکزی دفتر میں فائونڈیشن کے نائب صدر اور ان کے شعبۂ تعلیم کے ذمے دار سے ہوئی اور تعلیم و تعلّم میں باہمی معاونت کا معاہدہ طے پاگیا ہے۔ اس کے علاوہ مکاتبِ قرآنی کا سلسلہ بھی شروع کیا جارہا ہے۔ اس شعبے کے نگران سے بھی طریق کار طے ہوگیا ہے۔ یاد رہے کہ مساجد کی تعمیر نو کے لیے پہلے ہی بیت السلام نے دیانت فائونڈیشن کے ہمراہ کام جاری رکھا ہوا ہے۔

جامعہ بیت السلام کراچی: نئے تعلیمی سال کی افتتاحی تقریب میں طلبہ کو انعامات بھی دیے گئے

دین اور مدارس سے محبت رکھنے والے ایک صاحبِ خیر نے طلبہ کو لاکھوں روپے کے نقد انعامات دیے

کراچی (پ ر) تعلیمی سال کے آغاز پر جامعہ بیت السلام کراچی میں منعقدہ افتتاحی تقریب کے دوران سالانہ امتحانات اور دوسرے متعدد مسابقہ جات میں پوزیشن لینے والے طلبہ میں لاکھوں روپے نقد اور کتابیں انعام میں دی گئیں۔ جامعہ کے دو طلبہ ولی الرحمٰن اور نبیل احمد شیخ نے جامعہ کی سطح پر پوزیشن حاصل کرنے علاوہ وفاق المدارس میں سندھ کی سطح پر پوزیشن حاصل کی، انہیں 30، 30 ہزار روپے انعام دیا گیا، محکمہ اوقاف کے تحت مسابقہ حفظ میں پہلی پوزیشن حاصل کرنے والے طالب علم مصعب کو پچیس ہزار روپے انعام دیا گیا، مسابقہ حفظ الحدیث (احادیث یاد کرنے کے مقابلہ) میں پوزیشن حاصل کرنے والے طلبہ، عربی، اردو اور انگریزی مضمون نگاری میں بہترین صلاحیت کا مظاہرہ کرنے والے طلبہ، اخلاق اور آدابِ تعلیم و اساتذہ میں نمایاں کارکردگی پیش کرنے والے طلبہ میں انعامات تقسیم کیے گئے، وفاق المدارس سے حفظ کا امتحان دینے والے 39 طلبہ نے 100، 100 نمبر حاصل کیے، حفظ قرآن کے 11 ایسے طلبہ کو 10، 10 ہزار روپے نقد انعام دیا گیا جنھوں نے کم دنوں میں پارہ یاد کیا، دارالاقامہ میں اپنے کمرے کو صاف رکھنے میں ممتاز درجہ حاصل کرنے والے آٹھ طلبہ کو بھی انعام دیا گیا۔ امتحان میں پہلی بار پوزیشن لینے والے طلبہ کو دہرا انعام دیا جاتا ہے، درسِ نظامی کے 374 طلبہ نے سالانہ امتحان میں شرکت کی، جن میں 125 طلبہ نے درجہ ممتاز میں کامیابی حاصل کی۔ واضح رہے نقد انعامات ایک ایسے صاحب خیر نے دیے جو دین اور دینی مدارس سے محبت رکھتے ہیں۔

pg47

J.

pg48

Bswt

Qurbani